ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1, 2024

دہریت کی پہچان اور تاریخ: اسلام اور دہریت کا تقابلی تجزیہ

Identification and History of atheism: A Comparative Analysis of Islam and atheism

ڈاکٹر سید محمد ہارون آغا

S.S.T(جنرل) محکمہ تعلیم حکومت بلوچستان کوئٹہ۔

محمد صدیق اللہ

وزٹنگ فیکلٹی، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف بلوچستان، کوئٹہ۔

ڈاکٹر نسیم اختر

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، شہید بھٹو ویمن یونیورسٹی، پشاور

Abstract

In the world of religions, basically two types of beliefs exist equally with some differences in (1) the existence of God (2) the concept of messengers of God. The result of these two beliefs is that this universe has been created by God and after creating it, it has not become unrelated to Inat, but the system of Inat is being run by Him. He has taught human beings to distinguish between good and evil and placed this consciousness in the self which is called nature. Moreover, some practical patterns came from God according to which humans should live their lives. Except for a few religions, all the major religions also have the concept of the afterlife, according to which there is heaven for those who do good deeds and hell for those who do bad deeds. Apart from these general beliefs about religion, there is another way of thinking which is called atheism, secularism, liberalism, secularism or communism. Atheism is actually not a religion but a way of thinking that is related to not believing in God, Prophethood and the Hereafter. Those who belong to atheism are called atheists. According to them, God does not exist. Therefore, according to atheists, religion does not have any divine reality, but is the result of man's own thinking.

Keywords: Beliefs, God, messengers, consciousness, afterlife.

تعارف

دنیائے مذاہب میں بنیادی طور پر دو قسم کے عقائد سبھی کے ہاں کچھ اختلافات کے ساتھ یکساں طور پر موجود ہیں (1) وجود خداوندی (2) فرستاگانِ خدا کا تصور ہے۔ ان دونوں عقیدوں کا ماحصل یہ ہے کہ اس کائنات کو خدا نے تخلیق کیا ہے اور تخلیق کرنے کے بعد وہ اس کائنات سے لا تعلق نہیں ہو گیا بلکہ اس کائنات کا نظام وہی چلا رہا ہے۔ اس نے انسانوں کو اچھے اور بُرے کی تمیز سکھائی ہے اور یہ شعور اس کے نفس میں رکھ دیا جسے فطرت کہتے ہیں۔ مزید بر آں خدا کی طرف سے چند عملی نمونے بھی آئے جن کے مطابق انسانوں کو اپنی زندگی گزارنا چاہئے۔ چند ایک مذاہب کو چھوڑ کر سبھی بڑے مذاہب میں آخرت کا تصور بھی ہے جس کے مطابق اچھے اعمال کرنے والوں کے لئے جنت اور برے اعمال کرنے

والوں کے لئے دوزخ ہے۔ مذہب کے متعلق ان عمومی عقائد کے علاوہ ایک اور طرزِ فکر رائج رہا ہے جسے الحاد، لادینیت، دہریت لبرازم، سیکولر ازم یا کمیونسٹ کہا جاتا ہے۔ الحاد درحقیقت کوئی مذہب نہیں بلکہ ایک طرزِ فکر کا نام ہے جو خدا، رسالت اور آخرت پر یقین نہ کرنے سے متعلق ہے۔ الحاد سے تعلق رکھنے والوں کو ملحدین کہا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک خدا کا کوئی وجود نہیں ہے۔ لہٰذا ملحدین کے نزدیک مذہب بھی کوئی الہامی حقیقت نہیں رکھتا بلکہ انسان کی اپنی سوچ و فکر کا نتیجہ ہے۔

دورِ حاضر میں الحاد کی تین بڑی قسمیں

1. ایگنوسٹی سزم (Agnosticism)

2۔ ایتھ ازم (Atheism)

3. ڈی ازم (Deism)

1۔ ایگنوسٹی سزم کو لاادریت بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمیں معلوم نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خدا ہے یا نہیں

2۔ ایتھ ازم سے مراد یہ ہے کہ خدا کے وجود کا سرے سے انکار کر دیا جائے۔

3۔ ڈی ازم کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو عقل کی بنیاد پر مان تو لیا جائے لیکن رسالت کا انکار کیا جائے۔

ان تینوں تصورات کا عملی نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے کہ انسان ہر قسم کے مذہب سے خود کو علیحدہ کر لیتا ہے۔ ڈی ازم میں اگرچہ خدا کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے لیکن انبیاء کرام کی لائی ہوئی ہدایت سے انکار کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایگنوسٹی سزم کے ماننے والے اگرچہ خدا کے وجود کا کھلا انکار نہیں کرتے مگر اقرار بھی نہیں کرتے۔ ایک چوتھی قسم ہے جسے دیسی لبرل کہا جا سکتا ہے۔ ان کے پاس مغربی سیکولر لوگوں کی طرح کوئی نقطہ نہیں ہے یہ لوگ پڑھے لکھے جاہل ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مغربی کلچر کے دلدادہ ہیں۔ دیسی لبرل میں کئی تو واقعی مذہب کے منکر دہریت میں داخل ہو جاتے ہیں اور کئی ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو مذہب کے ساتھ منسلک تو کرتے ہیں لیکن مذہب کے احکام سے خود کو آزاد سمجھتے ہیں اگرچہ جینے مرنے کے کئی افعال اسلام کے مطابق ہی کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد اسلام کے مطابق قبر میں دفن ہونے کو پسند کرتے ہیں حالانکہ ساری زندگی اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہوتی ہے، کئی شرعی احکام کے بالخصوص ناموس رسالت، پردہ، دینی علم کے خلاف زبان درازی کر کے دائرہ اسلام سے خارج ہو کر مرتد ہو چکے ہوتے ہیں۔ کئی سیکولر ایسے بھی ہیں جو مذہب کو صرف ایک ہتھیار سمجھ کر استعمال کرتے ہیں درحقیقت ان کو مکمل آزادی، سیکس اور دیگر حرام امور ہر دلعزیز ہوتے ہیں۔ دیسی لبرل اور ملحد ہر جگہ یہ باور کراتے پھرتے ہیں کہ وہ نیوٹرل ہیں، ان کے خیالات ہر قسم کے تعصبات سے ماورا ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی سوچ کا تجزیہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ جن ملاؤں کو متشدد اور انتہا پسند کہتے ہیں خود ان سے بھی بڑھ کر متشدد اور انتہا پسند سوچ رکھتے ہیں۔ مذہب اور مذہبی لوگوں کے بارے میں جتنے یہ گہرے متعصب اور متشدد ہیں اتنا کوئی بھی نہیں۔ مثلاً ان لوگوں کی اکثریت سامراجی جنگوں کی حمایتی اور اپنے مخالفین کی قتل و غارت کو جائز سمجھتی ہے۔ یہ لوگ حکومتوں کو اکساتے ہیں کہ وہ مذہبی لوگوں پر تشدد اور جنگیں مسلط کریں، ان کو تباہ برباد کر دیں۔ دہشت گردی کے کسی واقعہ میں چند لوگوں کی ہلاکت کی کبھی مذمت کر دیتے ہیں اگر اس سے اپنے موقف کو سپورٹ مل رہی ہو یا صرف اس لیے کہ قتل و غارت کی مذمت کرنا قابل تعریف رجحان سمجھا جاتا ہے، مگر کافروں کے ہاتھوں شہید ہونے والے لاکھوں مسلمانوں کے بارے میں مذمتی کلمات کبھی بھولے سے بھی انکی زبانوں سے نہیں نکلتے۔

اسی طرح ان لوگوں کی اکثریت امریکی و مغربی سامراج کی مسلط کردہ جمہوریت کے حق میں ہے، مگر جمہوریت کے اس غیر انسانی کردار کو سامنے لانے سے گریزاں ہیں، جس کی وجہ سے کروڑوں لوگوں کی زندگی بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ الٹا مغالطہ یہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کے ذمہ دار یہ مولوی ہیں، چنانچہ عوام کو درپیش بھیانک مسائل کا ذمہ دار اس سرمایہ دارانہ نظام کو ٹھہرانے کے بجائے مذہب اور مذہبی لوگوں کو ٹھہراتے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1, 2024

آپ انکے فیس بک پیجز اور گروپس کا وزٹ کریں تو وہاں اکثر آپ کو کسی غریب بچے بچی کی تصویر نظر آئے گی جو گندگی کے ڈھیر سے چاول، پھل وغیرہ اٹھا کے کھا رہا ہوگا اور انہوں نے ساتھ کمنٹ لکھے ہونگے کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ پتھر میں چھپے ہوئے کیڑے کو تو رزق پہنچانے کا دعوی کرتا ہے لیکن انسان کو رزق پہنچانے میں ناکام ہے معاذ اللہ عزوجل۔ یونہی انبیاء علیہم السلام پر اعتراضات کرنا، اسلامی شرعی احکام پر طعن و تشنیع کرنا ان کا وتیرہ ہے۔ ان کے پاس علمی ٹھوس دلائل نہیں ہوتے بلکہ اسی طرح کے گھسے پٹے اعتراضات ہوتے ہیں، جن کے منہ توڑ جوابات علمائے اسلام دیتے رہتے ہیں۔

الحاد، دہریت، لبرل ازم، سیکولرازم کے معنی

دہریت، لبرازم، سیکولرزم، کمیونسٹ نام کی تعریف و تاریخ میں فرق ضرور ہے لیکن موجودہ دور میں یہ تمام نام ان لوگوں کے لیے بولے جاتے ہیں جو خود کو مذہب سے آزاد سمجھتے ہیں۔ ذیل میں ان کی تعریفات اور تاریخ بیان کی جاتی ہے۔

الحاد کی تعریف:

عربی زبان میں الحاد کا لغوی مطلب، انحراف یعنی درست راہ سے ہٹ جانا ہے۔ الحاد اسلامی مضامین میں استعمال کی جانے والی ایک اصطلاح ہے جو اپنا پس منظر قرآن سے اخذ کرتی ہے۔ قرآن کی سورت الاعراف کی آیت 180 میں "یُلْحِدُونَ "یعنی لحد کرنا یا انحراف کرنے) کا لفظ آتا ہے۔ یہ کلمہ، لحد سے ماخوذ ہے۔ لحد کا لفظ عام طور پر اردو میں بھی قبر کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ فی الحقیقت لحد سے مراد اس طاق یا دراڑ یا درز کی ہوتی ہے کہ جو قبر میں ایک جانب ہٹی ہوئی ہوتی ہے اور جس میں میت کو رکھا جاتا ہے۔ چونکہ یہ طاق یا درز درمیان سے ہٹی ہوئی ہوا کرتی ہے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ قبر کے درمیان سے منحرف ہو جاتی ہے اسی وجہ سے اس کو لحد کہا جاتا ہے اور اس لحد سے الحاد بھی بنا ہے۔ لفظ الحاد کو انگریزی میں بعض اوقات (atheism) بھی لکھ دیا جاتا ہے جو اپنے معنوں میں خاصا مختلف مفہوم کا حامل ہے جس کی درست اردو عقلاً و منطقاً، لامذہبیت یا لادینی آتی ہے۔

دہریت کی تعریف:

دہر عربی لفظ ہے، جس کا ترجمہ "زمانہ" ہے۔ دہریہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو زمانے کو تو مانتا ہے لیکن زمانہ کے خالق کو نہیں مانتا۔ دہریت کوئی جدید ایجاد نہیں ہے بلکہ کئی صدیوں سے اس طرح کے عقائد رکھنے والے لوگ آتے رہے ہیں۔ موجودہ دور کی طرح پہلے ادوار میں بھی علمائے اسلام نے دہریوں کے باطل نظریات کو زبردست جوابات دیے ہیں اور عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ وجود باری تعالیٰ کو ثابت کیا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کچھ یوں ہے کہ کفار کو جب اللہ عزوجل پر ایمان لانے اور اللہ عزوجل کے متعلق کہا جاتا کہ وہ ذات زندگی و موت دینے والی ہے تو وہ جواب یوں کہتے:

مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ [1]

تو نہیں مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ اور انہیں اس کا علم نہیں وہ تو نرے گمان دوڑاتے ہیں۔

[1] سورۃ الجاثیہ، ۴۵:۲۴۔

Surah ak jasia, 45, 24

یعنی روز و شب کا دورہ وہ اس کو مؤثر اعتقاد کرتے تھے اور ملک الموت کا اور بحکم الٰہی روحیں قبض کئے جانے کا انکار کرتے تھے اور ہر ایک حادثہ کو دہر اور زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اس لفظ "دہر" سے اخذ کر کے "دہریہ" مستعمل ہے۔

لبرل ازم:

لفظ لبرل، قدیم روم کی لاطینی زبان کے لفظ لائبیر (liber) اور پھر لائبرالس (liberalis) سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ہے آزاد، جو غلام نہ ہو۔ مطلب یہ کہ جو شخص خود کو دینی احکام سے آزاد سمجھتا ہو وہ لبرل ہے۔

سیکولرازم:

یہ لفظ قدیم لاطینی لفظ سیکولارس (saecularis) سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے وقت کے اندر محدود۔ عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کی ذات وقت کی قید اور حدود سے آزاد اور ماوراء ہے۔ دہریت میں اللہ عزوجل کا انکار کیا جاتا ہے اس کی بہ نسبت سیکولرزم میں اللہ عزوجل کو تو مانا جاتا ہے لیکن آزادی کو دین پر ترجیح دی جاتی ہے کہ ہر فرد جو کرنا چاہے، کہنا چاہے وہ کہہ سکتا ہے اسے مکمل آزادی حاصل ہے، یونہی دین کو سیاست سے الگ رکھنا ان کا نظریہ ہے۔

دہریت کی تاریخ:

تاریخ کا مطالعہ کریں تو الحاد کے فروغ میں یورپین لوگوں کا بہت ہاتھ رہا ہے اور موجودہ دور میں بھی سب سے زیادہ الحاد کے گڑھے میں یورپ کے پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ لبرازم، سیکولرازم اور دہریت کی تفصیلی تاریخ کچھ یوں ہے:

شخص لبرل ازم:

آٹھویں صدی عیسوی تک اس لفظ کا معنی ایک آزاد آدمی ہی تھا۔ بعد میں یہ لفظ ایک ایسے شخص کے لیے بولا جانے لگا جو فکری طور پر آزاد، تعلیم یافتہ اور کشادہ ذہن کا مالک ہو۔ اٹھارھویں صدی عیسوی اور اس کے بعد اس کے معنوں میں خدا یا کسی اور مافوق الفطرت ہستی یا مافوق الفطرت ذرائع سے حاصل ہونے والی تعلیمات سے آزادی بھی شامل کر لی گئی، یعنی اب لبرل سے مراد ایسا شخص لیا جانے لگا جو خدا اور پیغمبروں کی تعلیمات اور مذہبی اقدار کی پابندی سے خود کو آزاد سمجھتا ہو اور لبرل ازم سے مراد اسی آزاد روش پر مبنی وہ فلسفہ اور نظام اخلاق و سیاست ہوا جس پر کوئی گروہ یا معاشرہ عمل کرے۔ یہ تبدیلی اٹلی سے چودھویں صدی عیسوی میں شروع ہونے والی تحریک احیائے علوم (Renaissance) یعنی (re-birth) کے اثرات یورپ میں پھیلنے سے آئی۔

برطانوی فلسفی جان لاک (1704ء-1620ء) پہلا شخص ہے جس نے لبرلزم کو باقاعدہ ایک فلسفہ اور طرزِ فکر کی شکل دی۔ یہ شخص عیسائیت کے مروجہ عقیدے کو نہیں مانتا تھا کیونکہ وہ کہتا تھا کہ بنی نوع انسان کو آدم کے اس گناہ کی سزا ایک منصف خدا کیوں کر دے سکتا ہے جو انہوں نے کیا ہی نہیں۔ عیسائیت کے ایسے عقائد سے اس کی آزادی اس کی ساری فکر پر غالب آ گئی اور مذہب پیچھے رہ گیا۔ انقلاب فرانس کے فکری رہنما والٹئیر (1778ء-1694ء) اور روسو (1778ء-1712ء) اگرچہ رسمی طور پر عیسائی تھے مگر فکری طور پر جان لاک سے متاثر تھے۔ انھی لوگوں کی فکر کی روشنی میں انقلاب فرانس کے بعد فرانس کے قوانین میں مذہبی اقدار سے آزادی کے اختیار کو قانونی تحفظ دیا گیا اور اسے ریاستی امور کی صورت گری کے لیے بنیاد بنا دیا گیا۔ امریکہ کے اعلان آزادی (American Declaration of Independence) میں بھی شخصی آزادی کی ضمانت جان لاک کی فکر سے متاثر ہو کر دی گئی ہے۔

سیکولرازم:

عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کی ذات وقت کی قید اور حدود سے آزاد اور ماوراء ہے۔ تحریک احیائے علوم کے دوران یورپ میں جب عیسائیت کی تعلیمات سے بے زاری پیدا ہوئی اور خدا کی انسانی زندگی میں دخل (جو کہ اصل میں عیسائی پادریوں اور مذہبی رہنماؤں کی خدا کی طرف سے انسانی

زندگی میں مداخلت کی غیر ضروری، غیر منطقی، من مانی اور متشدد دانہ توجیہ تھی) کے خلاف بغاوت پیدا ہوئی تو کہا جانے لگا کہ چونکہ خدا وقت کی حدود سے ماورا ہے اور انسان وقت کی حدود سے مقید ہے، لہٰذا انسانی زندگی کو سیکولر، یعنی خدا سے جدا (محدود) ہونا چاہیے۔ اس لفظ کو باقاعدہ اصطلاح کی شکل میں 1846ء میں متعارف کروانے والا پہلا شخص برطانوی مصنف جارج جیب ہولیوک (1817ء-1906ء) تھا۔ اس شخص نے ایک بار ایک لیکچر کے دوران کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے عیسائی مذہب اور اس سے متعلق تعلیمات کا توہین آمیز انداز میں مذاق اڑایا، جس کی پاداش میں اسے چھ ماہ کی سزا بھگتنا پڑی۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد اس نے مذہب سے متعلق اظہار خیال کے لیے اپنا انداز تبدیل کر لیا اور جارحانہ انداز کے بجائے نسبتاً نرم لفظ سیکولرزم کا پرچار شروع کر دیا۔

اس اصطلاح کے عام ہو جانے کے بعد پہلے برطانیہ اور پھر تمام یورپ اور دنیا بھر میں سیکولرزم کے معنی یہ ہوئے کہ انسانی زندگی کے دنیا سے متعلق امور کا تعلق خدا یا مذہب سے نہیں ہوتا اور مزید یہ کہ حکومتی معاملات کا خدا اور مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس اصطلاح کے یہی معنی اب دنیا بھر میں انگریزی زبان کی ہر لغت اور انسائیکلوپیڈیا میں پائے جاتے ہیں اور اسی پر سیکولر کہلانے والے تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق یورپ کے مذہبی لوگوں میں یہ رجحان جڑ پکڑ گیا تھا کہ وہ انسانوں کی فلاح و بہبود سے متعلق دنیاوی امور کو نظر انداز کرتے تھے اور لوگوں کو خدا سے تعلق جوڑنے کی اور ترک دنیا کی تعلیم دیتے تھے۔ اس رجحان کے خلاف رد عمل پیدا ہوا اور یورپ کی تحریک احیائے علوم کے دوران میں سیکولرزم نمایاں ہوا اور لوگوں نے تمدنی ترقی میں زیادہ دلچسپی لینی شروع کی۔ اوکسفرڈ ڈکشنری کے مطابق اول یہ کہ سیکولرزم سے مراد یہ عقیدہ ہے کہ مذہب اور مذہبی خیالات و تصورات کو ارادتاً دنیاوی امور سے حذف کر دیا جائے۔ اس کی یورپی فلسفیانہ توجیح یہ ہے کہ یہ ایک ایسا نظام عقائد ہے جس میں اخلاقی نظام کی بنیاد کلی طور پر بنی نوع انسان کی دنیا میں فلاح و بہبود اور خدا اور حیات بعد الموت پر ایمان سے انکار (یعنی ان کے عقائد سے اخراج) پر رکھی گئی ہے۔ دوم یہ کہ اس بارے میں ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ تعلیم خصوصاً وہ تعلیم جو عوامی سرمایہ سے دی جا رہی ہو، مذہبی عقائد اور مذہبی تعلیم کو آگے نہ بڑھائے۔ ویبسٹر ڈکشنری کے مطابق سیکولرزم کے معنی ہیں: دنیاوی امور سے مذہب اور مذہبی تصورات کا اخراج یا بے دخلی۔

سیکولرازم اور لبرل ازم کا تفصیلی پس منظر:

مندرجہ بالا دو اصطلاحات کو مکمل طور پر جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس ماحول اور ان حالات کا جائزہ لیا جائے جن کے باعث یہ اصطلاحات تشکیل پائیں۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش کے وقت مغربی اور مشرقی یورپ پر بت پرست (مشرک) رومن بادشاہوں کی حکمرانی تھی۔ حضرت عیسی علیہ السلام آسمان کی طرف اُٹھائے جانے سے قبل دنیا میں 30 یا 33 برس رہے۔ وہ بنیادی طور پر بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے رسول تھے تاکہ ان کو تورات کی گمشدہ تعلیمات سے از سر نو آشنا کریں۔ ان کی اصل تعلیمات اس وقت تقریباً ناپید ہیں۔ موجودہ عیسائیت اور اس کے عقائد سینٹ پال کا دین ہے۔ یہ شخص بنیادی طور پر کٹر یہودی تھا۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے دنیا سے اٹھا لیے جانے کے بعد یہ شخص عیسائی ہو گیا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے لوگوں کے درمیان (اپنے خوابوں اور مکاشفات کے ذریعے) اس عقیدے کو عام کیا کہ یسوع مسیح خدا کے ہاں اس کے نائب کی حیثیت سے موجود ہیں اور قیامت کے روز لوگوں کے درمیان فیصلے وہی کریں گے اور یہ کہ اب نجات اس شخص کو ملے گی جو یسوع مسیح کی خوشنودی حاصل کرے گا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے پہلی بار یہ تعلیم بنی اسرائیل کے علاوہ دوسری اقوام کو دینے کی بھی نصیحت کی۔ بنیادی طور پر یہ وہ شخص ہے جسے جدید اصطلاح کی زبان میں ہم سیکولر کہہ سکتے ہیں۔ عیسائی مبلغین کی پہلی کانفرنس 50ء میں منعقد ہوئی (جس میں سینٹ پال نے بھی شرکت کی) جس میں تورات کے کئی احکامات کی پابندی سے غیر اسرائیلیوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا، البتہ انھیں زنا، بت پرستی اور خون آمیز گوشت کھانے سے منع کیا گیا۔ اس وقت تک حضرت عیسی کے خدا کے بیٹے ہونے کا عقیدہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ عیسائیت کے عقائد کی تعلیم اور اشاعت رومن دور میں ممنوع تھی اور مبلغین پر بہت تشدد کیا جاتا تھا۔ تشدد کا یہ سلسلہ اس وقت رکا جب رومن شہنشاہ کانسٹنٹائن نے تقریباً

312ء میں عیسائیت قبول کر لی۔ لیکن یہ محض عقیدے کی قبولیت تھی ورنہ کاروبار مملکت پرانے رومن طریقے ہی پر چلتا رہا اور اس معاملے میں کسی عیسائی عالم کا کوئی اعتراض ریکارڈ پر موجود نہیں ہے۔ عیسائیت کے سرکاری مذہب بن جانے کے باوجود مملکت کے سیکولر ہونے کی یہ پہلی مثال تھی۔ اس حکومتی سیکولرزم کی وجہ یہ تھی کہ سینٹ پال کی تعلیم کے مطابق عیسائی عقیدہ اختیار کرنے کے بعد دنیاوی معاملات سے خدا کا تعلق ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ 325ء میں نیقیہ کے مقام (موجودہ ترکی میں ازنک) پر تقریباً 300 عیسائی بشپ اکٹھے ہوئے، جنھوں نے بحث مباحثے کے بعد اس عقیدے کا اعلان کیا کہ حضرت عیسی علیہ السلام معاذ اللہ خدا کے بیٹے اور اس کی ذات کا حصہ ہیں (اس طرح حضرت عیسی کے خدا کے بیٹے ہونے کا عقیدہ پیدا کیا گیا۔

تقریباً 476ء میں جرمن گاتھ حکمرانوں کے ہاتھوں مغربی یورپ میں رومن سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ گاتھ چونکہ قبائلی طرز زندگی کے عادی تھے اس لیے انھوں نے کوئی مرکزی حکومت قائم نہیں کی جس کے نتیجے میں مغربی یورپ میں ہر طرف طوائف الملوکی پھیل گئی۔ ہر جگہ چھوٹی چھوٹی بادشاہتوں اور جاگیرداریوں نے جنم لیا اور باہم جنگ و جدل شروع ہو گئی۔ یہ سلسلہ تقریبا ایک ہزار سال تک جاری رہا۔ اس عرصے کو یورپ کا تاریک دور یا ازمنہ وسطی کہا جاتا ہے۔ اسی دور میں عیسائیت میں پوپ کے منصب کا آغاز ہوا اور اسے مذہبی معاملات میں مکمل دسترس حاصل ہو گئی، اس کا کہا خدا کا کہا سمجھا جانے لگا۔ یہی دور تھا جب مصر کے صحرا میں رہنے والے کچھ عیسائی مبلغین نے رہبانیت اختیار کی۔ 500ء میں سینٹ بینیڈکٹ، روم میں لوگوں کی اخلاقی بے راہ روی سے اس قدر تنگ آیا کہ اس نے اپنی تعلیم کو خیر باد کہا اور ایک غار میں رہائش اختیار کی تاکہ اپنے نفس کو پاک رکھ سکے۔ اس مقصد کے لیے اس نے اور لوگوں کو بھی دعوت دی۔ جب ایک اچھی خاصی تعداد شاگردوں کی میسر آگئی تو 529ء میں اس نے باقاعدہ ایک راہب خانے کی بنیاد رکھی اور راہبوں کے لیے ضابطے تحریر کیے جو آج بھی راہب خانوں میں نافذ العمل ہیں۔ ان ضوابط میں راہبوں کے لیے شادی کی ممانعت، مہمانوں سے آزادانہ ملنے پر پابندی، مخصوص لباس پہننے کی پابندی، سونے جاگنے، سفر کرنے اور ملنے ملانے، کھانے پینے کے آداب اور طریقے شامل تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ رہبانیت اختیار کرنے والوں نے پاکی نفس کے لیے غلو اور اس سے بڑھ کر انسانی جسم و جان پر بے جا پابندیاں اور تشدد شروع کیا جو کہ انسانی فطرت کے خلاف تھا۔ اس کی تعلیم یہ لوگ عوام کو دیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ راہب لوگوں اور خدا کے درمیان واسطہ بن گئے اور مذہبی معاملات میں انھیں ایک ناقابل چیلنج اختیار حاصل ہو گیا۔ ایک طرف ان راہبوں کے دُنیاوی امور سے الگ ہو جانے اور خود کو راہب خانوں تک محدود کرنے کے باعث حکومتوں کے لیے سیکولر ہونے کو ایک طرح کا کھلا میدان اور جواز فراہم ہوا، تو دوسری طرف راہبوں، بشپوں اور پوپ کی اس مطلق العنانی نے اختیار کے غلط استعمال کو جنم دیا اور شہنشاہ کانسٹنٹائن کے عہد میں منعقدہ کونسل آف نیقیہ میں طے کردہ عیسائی عقیدے سے اختلاف کرنے والوں کے خلاف سخت متشددانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ عیسائی دنیا میں سینکڑوں برس تک اس صورت حال کے جاری رہنے سے انسانی فطرت میں اس کے خلاف بغاوت پیدا ہوئی۔ پوپ چونکہ اٹلی کے شہر روم میں موجود تھا، اس لیے تحریک احیائے علوم کا آغاز بھی (چودھویں صدی عیسوی میں) روم ہی سے ہوا۔ اس تحریک کے اثرات سے لوگوں نے راہبوں اور پادریوں کی سوچ و فکر سے آزاد ہو کر سوچنا شروع کر دیا۔ اس زمانے کے فلسفیوں اور دانشوروں نے دلائل کے ذریعے عیسائیت کے مذہبی عقائد کا غیر عقلی اور غیر فطری و غیر منطقی ہونا لوگوں کے سامنے ثابت کرنا شروع کیا۔ سولھویں صدی عیسوی میں بائبل میں دی گئی کائنات اور زندگی سے متعلق بعض معلومات کے سائنسی طور پر غلط ثابت ہونے سے مذہبی عقیدے کی لوگوں پر گرفت بالکل کمزور پڑ گئی۔ یہ بغاوت عیسائیت کے ایسے قوانین اور ضوابط کے خلاف نہیں تھی جو حکومتی معاملات، طرز معاشرت، معیشت وغیرہ سے متعلق ہوتے کہ ایسے قوانین تو عیسائیت میں تھے ہی نہیں بلکہ عیسائیت تو محض ایک عقیدے کا نام تھی، جسے نیقیہ کی کونسل نے حضرت عیسی علیہ السلام کی تعلیم اور توریت کے احکامات کو نظر انداز کر کے سینٹ پال کے خوابوں اور روحانی مکاشفات کے نتیجے میں اختیار کیا تھا اور انسان کی نجات کے لیے لازمی قرار دیا تھا۔ یہ عقیدہ چونکہ یونانی دیومالا اور یونانی فلسفے کے زیر اثر پروان چڑھا تھا، اس لیے جدید سائنسی انکشافات و اکتشافات کی ذرا سی ٹھوکر بھی نہ سہہ سکا۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1, 2024

انسانیت پر اثرات:

یورپ کی عوام چونکہ راہبوں کے غیر فطری مذہبی رجحانات سے تنگ آچکے تھے اور سارا یورپ عیسائی علما کے صدیوں تک جاری رہنے والے جھگڑوں اور لڑائیوں کے نتائج کو بھی بھگت چکا تھا، اس لیے مذہبی عقیدے سے بغاوت یورپ کے اجتماعی ضمیر میں جلد جذب ہو گئی۔

Renaissance یعنی تحریک احیائے علوم کا زمانہ عروج سترھویں تا انیسویں صدی عیسوی ہے۔ اس دور میں مذہب بے زار فلسفیوں، دانش وروں اور فلسفی سائنس دانوں نے بڑے بڑے تعلیمی ادارے اور یونیورسٹیاں قائم کیں جن کے ذریعے اپنے خیالات کو عام کیا۔ اسی دور میں یورپ نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی۔ یورپ میں مذہب بیزاری خدا کے انکار اور انسان کو بندر کی اولاد سمجھنے تک جا پہنچی۔ اب یورپ میں زندگی کی معراج یہ ٹھہری کہ انسان اپنی دنیا کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے ساری جدوجہد کرے۔ تمام انسان بھی عام حیوانوں کی طرح حیوان ہی ہیں، لہٰذا اس دنیا میں بقا محض طاقتور کو نصیب ہو گی۔ (چارلس ڈارون اور ہربرٹ سپنسر اس فکر کے علم بردار تھے۔)

اس فلسفے کے عام ہو جانے اور سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہتھیار ہاتھ آجانے کے بعد یورپی اقوام کمزور اقوام پر ٹوٹ پڑیں۔ مفتوحہ ممالک پر اپنے قبضے کو مستحکم کرنے کے لیے یورپی اقوام نے وہاں اپنی جدید سیکولر اور لبرل فکر کی ترویج کے لیے کالج اور یونیورسٹیاں تعمیر کیں۔ مفتوحہ اقوام کے تعلیمی ادارے، اُن کی زبانوں میں تعلیم اور عدالتوں کا نظام موقوف کیا اور معاشرت اور معیشت میں اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کو رائج کیا جسے مفتوح اور مرعوب و شکست خوردہ لوگوں نے قبول کیا۔ فاتح اقوام نے رزق کے ذرائع اپنے قائم کردہ جدید سیکولر تعلیمی اداروں کی اسناد کے ساتھ منسلک کر دیے۔ مفتوحہ اقوام کے نوجوان یورپ میں بھی تعلیم حاصل کرنے لگے (طرفہ تماشہ یہ ہے کہ یورپی اقوام نے اپنے مفتوحہ ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کا اہتمام نہیں کیا بلکہ ان تمام ممالک کو آزادی حاصل ہونے کے بعد خود اس کے لیے جدوجہد کرنی پڑی۔ اس طرح یورپ کی خدا اور مذہب سے بغاوت پر مبنی فکر، ادب، عمرانیات، فلسفہ، آرٹ اور انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کی تعلیم کے ذریعے تمام دنیا میں پھیل گئی۔

البتہ لوگوں کی ایک قابل ذکر تعداد اب تک دین اسلام سے وابستہ ہے اور یورپ کی اس فکر کے خلاف ہے۔ مسلمانوں کے ممالک میں اس مذہبی اور غیر مذہبی کی تقسیم نے ہر طرف انتشار اور فساد پیدا کر دیا ہے۔ افراد، طبقات اور اقوام باہم دست و گریباں ہیں۔ سیکولر نظام تعلیم کے نتیجے میں خدا، رسول اور احتساب بعد الموت پر اعتقاد کے کمزور پڑنے سے مادہ پرستی، لذت کوشی، حرص، ظلم، عریانی و فحاشی، کاروباری ذہنیت، دھوکا دہی، قتل و غارت گری اور بدامنی ہر طرف پھیل چکی ہے۔

کمیونزم اور سوشلزم

کمیونزم اور سوشلزم کا بانی کارل مارکس ایک غیر مذہبی شخص تھا جس کا باپ ہنرچ خاندانی طور پر ایک یہودی، ایک جرمن شہری اور پیشے کے اعتبار سے وکیل تھا اور فکری طور پر یورپ میں برپا (خدا بے زاری پر مبنی) تحریک احیائے علوم کے سرخیل فلسفیوں والٹئیر اور کانٹ سے متاثر تھا۔ کارل مارکس کے باپ نے یہودی ربیوں کے سلسلہ نسب سے منسلک ہونے کے باوجود غالباً اپنی پیشہ ورانہ ضرورت کے تحت ایونجلیکل عیسائیت میں بپتسمہ لیا اور چھ برس کی عمر میں کارل مارکس کو بھی بپتسمہ دے دیا، مگر اپنی عملی زندگی میں وہ ایک سیکولر، یعنی لادین شخص تھا۔ کارل مارکس کے کمیونزم کی شکل میں طبقاتی کش مکش کا علمبردار ہونے کا پس منظر شاید یہ تھا کہ اس کی قوم یہود کے ساتھ یورپ کے تنگ نظر عیسائی مذہبی لوگوں نے ازمنہ وسطیٰ کے دوران بہت برا سلوک کیا تھا۔ عیسائی اہل مذہب کے امتیازی سلوک نے اسے نفس مذہب ہی سے بے زار کر دیا اور وہ بہت جلد مشہور خدا فراموش جرمن فلسفی فریڈرک ہیگل کا خوشہ چین بن گیا۔

مغرب میں دہریت کیسے عام ہوئی؟

اسلام کی پوری تاریخ کے اندر، اسلام کو ان دشواریوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا جو یورپ کو انکے غلط عقیدے کی وجہ سے کرنا پڑیں۔ بہت اہم مشکلات میں سے ایک مذہب اور سائنس کے درمیان خوفناک اختلافات تھے۔ مذہب اس بے رحمی کیساتھ سائنس سے جا ٹکرایا کہ کلیسا نے بہت سے سائنسدانوں کو زندہ جلا دیا اس بناپر کہ وہ انکی کتاب کے خلاف چل رہے تھے۔ اہل کلیسا کے ان لرزہ خیز مظالم اور چیرہ دستیوں نے پورے یورپ میں ایک ہلچل مچادی۔ ان لوگوں کو چھوڑ کھڑا کیا کہ دنیا میں جو کچھ ہے، وہ صرف مادہ ہے۔ نمو، حرکت ارادی، احساس، شعور اور فکر سب اس ترقی یافتہ مادہ کے خواص ہیں۔ تہذیب جدید کے معماروں نے اسی فلسفے کو سامنے رکھ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی عمارت تعمیر کی۔ ہر تحریک جس کا آغاز اس مفروضے پر کیا گیا کہ کوئی خدا نہیں، کوئی الہامی ہدایت نہیں، کوئی واجب الاطاعت نظام اخلاق نہیں، کوئی حشر نہیں اور کوئی جواب دہی نہیں، ترقی پسند تحریک کہلائی۔ اس طرح یورپ کا رخ ایک مکمل اور وسیع مادیت کی طرف پھر گیا۔ خیالات، نقطہ نظر، نفسیات و ذہنیت، اخلاق و اجتماع، علم و ادب، حکومت و سیاست، غرض زندگی کے تمام شعبوں میں الحاد اس پر پوری طرح غالب آگیا۔ اگرچہ یہ سب کچھ تدریجی طور پر ہوا اور ابتدا میں تو اس کی رفتار بہت سست تھی لیکن آہستہ آہستہ اس طوفان نے سارے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اسلام اور سائنس

دوسری طرف اسلام کی تاریخ میں آپکو ایسا کچھ نہیں ملتا۔ اسلام نے ہمیشہ سائنسی تحقیقات کیلئے دروازے کھلے رکھے ہیں اور دانشوارانہ سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ سائنسدان عموماً بہت سے خلفاء کے دربار اور اسمبلیوں میں خصوصی مہمان ہوتے اور انکی سرپرستی میں شاہی تحائف اور مراعات کا ایک منصفانہ حصہ وصول کرتے۔

مسلم دنیا کی اپنی طویل تاریخ میں کبھی بھی سائنسدانوں کو اس ظلم و ستم، پابندیوں اور جانچ پڑتال کا سامنا نہیں کرنا پڑا جیسا کہ یورپ میں انکے ساتھ ہوا۔ چرچ نے مذہب کے نام پر لوگوں کیساتھ بہت برا برتاؤ کیا، انکے مال کا ایک بڑا حصہ ان سے چھین لینا، انکی دانشورانہ زندگیوں کو محدود کر دینا، مفکروں اور سائنسدانوں کو زندہ جلا دینا، ان کا معمول تھا۔

مسلمان تاریخ میں سائنس اور مذہب کے درمیان دوستی دیکھنے کو ملتی ہے کہ پہلی وحی ہی میں تھا: پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ سائنس اسلام ہی کے دیئے گئے ثمرات میں سے ایک ہے۔ آج کی سائنس اللہ عز و جل کے حکم، پڑھنے، سیکھنے، سکھانے اور غور و فکر بجالانے کا ہی نتیجہ ہے۔ بلکہ احادیث میں تو ترقی کا یہ حال بیان کیا گیا ہے کہ جوتے کے تسمے، انسان کا جسم بھی باتیں کرے گا چنانچہ حدیث میں ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : والذي نفسي بيده؛ لا تقوم الساعة حتى تكلم السباع الإنس، وحتى تكلم الرجل عذبة سوطه وشراك نعله وتخبره فخذه بما أحدث أهله من بعده[1]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ درندے انسانوں سے باتیں کریں گے اور حتی کہ آدمی سے اس کے کوزے کا پھندنا اور اس کے جوتے کا تسمہ باتیں کرے گا اور اس کی ران اسے وہ سب خبر دے گی جو اس کے گھر والوں نے اس کے پیچھے کیا۔

---

[1]. حمود بن عبد اللہ بن حمود بن عبد الرحمن التويجري، إتحاف الجماعة، ج ۳، ص ۲۲۲، الناشر: دار الصميعي، الرياض

Hamood bin abd ullah bin hamood bin abd ur rehman al tavejri, Ithaf all jamaa vol 3, p 222, Al nasher: Dar al sameiy, al reyaz.

وہ لوگ جو سیکولرزم کو مسلم دنیا میں لانے کے خواہاں ہیں، اسلامی دنیا کی مذہبی تاریخ اور یورپ کی مذہبی تاریخ کے اس بڑے فرق کو نظر انداز کرتے ہیں جہاں سے سیکولرزم نے جنم لیا۔ یعنی سیکولرزم عیسائیت کے ان پادریوں سے نکلی جنھوں نے دین میں تحریف کر کے ایسے خود ساختہ قوانین لوگوں پر مسلط کر دیئے جس پر عمل لوگوں پر دشوار و ناممکن ہو گیا، جبکہ اسلام تحریف سے پاک مذہب ہے۔ اسلامی کے تمام قوانین چاہے وہ عبادت کے متعلق ہوں یا معاشرے یا سیاست ہر میدان میں وہ کامل ہیں۔ کیونکہ وہ کسی انسان کے بنائے ہوئے نہیں بلکہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول علیہ السلام کے بنائے ہوئے ہیں، انہی قوانین پر عمل کر کے مسلم حکمرانوں نے دنیا پر راج کیا ہے اور عدل و انصاف اور معاشرتی ترقی کو پوری دنیا کے آگے پیش کیا۔

موجودہ الحاد کی تاریخ:

موجودہ الحاد کی تحریک کی تاریخ ہم سولہویں صدی کے اختتام سے شروع کر سکتے ہیں۔ یورپ میں قرون وسطی میں کلیسا کے مظالم کے خلاف تحریکیں اٹھیں اور عیسائیت میں ایک نئے فرقے پروٹسٹنٹ کا ظہور ہوا۔ ان دونوں فرقوں میں کئی بار باہمی خانہ جنگی ہوئی۔ جب کوئی پروٹسٹنٹ حکمران ہوتا تو وہ کیتھولک پر مظالم کرتا اور جب حکمران کیتھولک ہوتا تو وہ پرٹسٹنٹ پر مظالم کرتا۔ یہ صورت حال عوام کے لئے مذہب سے بیزاری کا ایک اہم سبب بنی۔

اس کے ساتھ ہی اس دور میں یورپ میں نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کا عمل شروع ہوا اور تعلیم تیزی سے پھیلنے لگی۔ اس وقت مذہبی رہنماؤں کی جانب سے سائنس کی نئی دریافتوں بالخصوص کائنات کے متعلق ان سائنس دانوں کے پیش کردہ نظریات کے متعلق متشددانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ اطالوی فلسفی اور ماہر طبیعات جیوردانو برونو (1548 - 1600 CE) پر بھی الحاد کے الزام میں مذہبی عدالت کی طرف سے مقدمہ چلایا گیا، کچھ عرصے کی قید بامشقت کے بعد معافی مانگنے سے انکار کیا تو زندہ جلا دیا گیا۔ اسی طرح دیگر ماہرین فلکیات اور طبیعات کو بائبل کے خلاف ان کے سائنسی نظریات کو بنا پر سزائے موت دی گئیں جن میں نکولس کوپرنیکس 1473 جیور میں اگرکولا (1494-1555) جیسے مشہور سائنس دان شامل تھے۔

سائنسی علوم کے علمبرداروں نے جب عیسائیت کو منطق اور عقلی میزان پر جانچنا چاہا اور عیسائیت کے بعض سائنسی علوم کے علمبرداروں نے جب عیسائیت کو منطق اور عقلی میزان پر جانچنا چاہا اور عیسائیت کے بعض عقائد پر تنقید کی تو یہ بات مذہبی طبقے کی جانب سے برداشت نہ کی گئی۔ اس معاملے میں عیسائیت سے وابستہ یہ دونوں فرقے شدت پسند تھے، مذہبی انتہاء پسندی اس حد تک پہنچ گئی کہ کوئی بھی شخص جو مذہبی عقائد سے ذرا سا اختلاف بھی کرتا تو اسے مرتد قرار دے کر قتل کر دیا جاتا۔ پروٹسٹنٹ نے اگرچہ عیسائیت کو پوپ کی غلامی سے آزاد اور کئی مذہبی اصلاحات نافذ کر کے عیسائیت کو روشن خیالی کی طرف گامزن کیا تھا لیکن اس بات پر وہ بھی تحمل نہ کر سکتے تھے کہ بائبل کے بیانات کو کوئی عالم عقلی طور پر غلط ثابت کر دے۔ کئی سائنسدانوں کو بائبل کے خلاف ان کے علمی نظریات کی بنا پر سزائے موت دی گئی۔ ان سائنس دانوں پر مذہبی رہنماؤں کے تشدد اور عیسائیت میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی باہمی خون ریزی کے نتیجے میں ناگزیر طور پر مذہب اور خدا کے متعلق بھی بہت سے لوگوں کی فکر متاثر ہوئی۔

کئی لوگ ان ساری صورتحال کی وجہ سے مذہب سے بیزار ہو رہے تھے اور مذہب پر کھلی تنقید کر رہے تھے۔ اس تنقید میں سب سے زیادہ حصہ اس دور کے فلسفیوں نے لیا۔ ڈیکارٹ (Decartes (165 -1596) جو جدید فلسفہ کا بانی سمجھا جاتا ہے پہلا شخص تھا جس نے فلسفہ اور مذہب میں تفریق پیدا کی۔ اگرچہ وہ خدا کا قائل تھا لیکن وہ عقل پرستی کو فروغ دینے کا زبردست حامی تھا۔ اٹھارہویں صدی میں مشہور امریکی فلسفی ٹامس پائین (1809ء-1737ء) نے اپنی کتاب "The Age of Reason" شائع کی جس میں اس نے اپنے خیال کے مطابق عیسائیت کی خرابیوں اور بائبل کی غیر منطقی باتوں کو واضح کرتے ہوئے ان پر شدید تنقید کی۔ اس کے بعد ملحد فلسفیوں کی جانب سے مذہب پر تنقید کا سلسلہ

JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1, 2024

شروع ہو گیا۔ اس ضمن میں مشہور فلسفی کانتے(1798-1857) نے ایک خاص فلسفہ پیش کیا جو پازیٹیوازم (Positivism) کہلاتا ہے۔ اس کی رو سے صرف ان چیزوں کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے جو قابل مشاہدہ اور قابل ثبوت ہیں اور بقیہ چیزوں کے وجود کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ اللہ عزوجل کی ذات قابل مشاہدہ نہیں، اس وجہ سے اس کا انکار کر دیا گیا۔ کانتے کا یہ فلسفہ دورِ جدید کے الحادی نظام کی اہم بنیاد بنی۔ مذہبی علماء اور سائنس دانوں کی یہ خانہ جنگی مذہب اور سائنس کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج پیدا کر رہی تھی۔ اس تشدد کی وجہ سے عقل پسند طبقے کے لئے مذہب اور اس سے وابستہ تمام امور قابل نفرت ہو چکے تھے۔ مذہب کے غیر ضروری عقائد، نفس کشی، عبادات اور دیگر تمام حدود سے وہ تنگ آکر باہر آنے لگے۔

اب تک اہل مذہب یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ کائنات کا وجود ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا کوئی خالق موجود ہے۔ چارلس ڈارون(1809-1882) نے نظریہ ارتقاء پیش کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بے جان مخلوق سے خود بخود ایک جاندار خلیہ پیدا ہوا جو کہ لاکھوں سالوں میں ارتقاکے عمل سے گزر کر ابتدائی درجے کا جانور بنا اور پھر کروڑوں سالوں میں آہستہ آہستہ یہ مختلف جانوروں کی صورت اختیار کرتا ہوا انسان بن گیا۔ اس کے بعد ملحد لوگ بالاعلان مذہب سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے اور بہت سے سائنس دان و فلسفی خدا کی مختلف توجیہات پیش کرنے لگے۔

اس دوران Deism کی تحریک پیدا ہوئی۔ اس کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ اگرچہ خدا ہی نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے لیکن اس کے بعد وہ اس سے بے نیاز ہو گیا ہے۔ اب یہ کائنات خود بخود ہی چل رہی ہے۔ اس تحریک کو فروغ ڈیوڈ ہیوم اور مڈلٹن کے علاوہ مشہور ماہر معاشیات ایڈم سمتھ (1723-1790) کی تحریروں سے بھی ملا۔ ان لوگوں نے بھی چرچ پر اپنی تنقید جاری رکھی اور چرچ کا جبر و تشدد جاری رہا۔ تقریباً دو سو سال تک یہ تحریک بھی مختلف شکلوں میں موجود رہی اور مذہب و سائنس کے درمیان جنگ جاری رہی۔ اٹھارہویں صدی میں کارل مارکس (1818-1883) نے اشتراکیت کا نظام پیش کیا۔ اگرچہ یہ نظام معاش سے متعلق تھا لیکن اس کی بنیاد اس تصور پر تھی کہ مذہب عوام کے استحصال کے لئے گھڑا گیا ہے۔ دیگر فلسفیوں کی طرح مارکس نے بھی مذہب پر کئی واضح تنقیدیں کیں لیکن ان کی تنقید کا محور بالخصوص یونانی فلسفی اور ان کا مذہب تھا۔ سائنس اور مذہب کے مابین اس جنگ میں سائنس کی جیت ہوئی اور علمی ترقی سے لوگوں پر یہ بالکل واضح ہو گیا کہ زمین کی پیدائش، نظام شمسی اور زمین کی ہیئت کے بارے میں اہل مذہب کی آرا کس قدر غیر معقول ہیں۔ اس فکر کے ردعمل میں کلیسا کی طرف سے جو انتہائی درجے کا جبر و تشدد اختیار کیا گیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اٹھارہویں صدی میں یورپ کے اہل علم میں بالعموم انکار خدا کی لہر چل نکلی جو انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل تک اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

انیسویں صدی کے آخر تک الحاد مغرب میں اپنی مضبوط جڑیں پکڑ چکا تھا لیکن بیسویں صدی کے ہی نصف میں کئی ایسے علمی انکشافات ہوئے جنہوں نے وہ اکثر بنیادیں گرا دیں جس پر ملحدین کے افکار قائم تھے۔ ملحدین یہ خیال کرتے تھے کہ کائنات ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ لیکن اسی صدی میں بگ بینگ (Big Bang) تھیوری نے اس نظریے کو غلط ثابت کر دیا۔ اس تھیوری کے مطابق کائنات توانائی کے ایک بہت بڑے گولے کی شکل میں موجود تھی جو ایک بہت عظیم دھماکے (Big Bang) کے نتیجے میں مادے کی صورت اختیار کر گیا۔ اس نظریے کو ماننے کا مطلب یہ تھا کہ یہ مان لیا جائے کہ کائنات کا کوئی خالق ہے۔ لہٰذا ابتداء میں ملحد سائنس دان اور مفکرین نے اس نظریے کو ماننے سے انکار کر دیا لیکن مزید سائنسی تحقیقات نے اس نظریے کو اس قدر تقویت دی کہ اسے ٹھکرانا ممکن نہیں رہا۔ وہ قدیم نظریات جو الحاد کی بنیاد بن چکے تھے، رفتہ رفتہ سائنسی ترقی اور کائنات کے متعلق نئے انکشافات کی وجہ سے رد ہو رہے تھے۔ تجربہ گاہوں میں ڈارون کے نظریے پر جب تنقیدی نگاہ ڈالی گئی تو یہ نظریہ کسی بھی طرح ثابت نہ ہو سکا بلکہ کئی شواہد اس کو رد کرنے کے لئے کافی تھے۔ کمیونزم کا وہ معاشی نظام جو مذہب کے خلاف ایک بہت بڑی تحریک بن چکی تھی، روس اور چین میں اس کے زوال کے ساتھ ہی الحاد کی بنیادیں کمزور ہونا شروع ہو گئیں۔ اس ساری صورتحال کی وجہ سے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1, 2024

بالعموم عقل پسند سائنس دانوں میں خدا کو ماننے کی تحریک شروع ہوئی اور کئی بڑے سائنس دان اور فلسفیوں نے خدا کے وجود کو منطقی بنیادوں پر تسلیم کیا۔

دہریت کا آخری دور

دہریت کے آخری دور کے بارے میں ادریس آزاد صاحب نے لکھا ہے: رچرڈ ڈاکٹر کی ایک ویڈیو پچھلے دنوں مشہور ہوئی جس میں ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ زمین پر زندگی کیسے شروع ہوئی ہوگی؟ تو انہوں نے جواب دیا، ایک سیل ہے۔ اُن سے مکرر پوچھا گیا کہ وہ سیل کہاں سے آیا ہو گا؟ تو انہوں نے جواب دیا، ممکن ہے کسی اور نظام شمسی کے کسی اور سیارے پر زندگی کی ترقی ہماری ترقی سے لاکھوں سال پہلے ہوئی ہو اور وہ ارتقا میں ہم سے لاکھوں سال آگے ہوں۔ ممکن ہے انہوں نے زندگی کی ایک ایسی شکل ڈیزائن کی ہو جیسی ہمارے سیارے پر ہے اور انہوں نے ہی ہمارے سیارے پر سیڈنگ یعنی زندگی کا بیج بویا ہو۔

رچرڈ ڈاکنز کو جدید ماڈرن ویسٹرن کیپیٹالسٹ ایتھزم کا بابا آدم مانا جاتا ہے۔ خدا کا انکار اُن کی زندگی کا سب سے بڑا مشن رہا ہے، لیکن مذکورہ بالا انٹر ویو میں انہوں نے علی الاعلان تسلیم کیا ہے کہ ممکن ہے ہمارے سیارہ زمین پر موجود زندگی کسی ذہین مخلوق کے ذہن کی تخلیق ہو۔ اتنا تسلیم کر لیا تو گویا کمتر درجے کا سہی۔ کم از کم رچرڈ ڈاکنز یہ تسلیم کرتے ہیں کہ زمین پر موجود زندگی کا سارا پروگرام کسی ذہین خالق کا بنایا ہوا ہو سکتا ہے، یعنی آرگومنٹ آف ڈیزائن کو کلیہ رد نہیں کیا جا سکتا۔ آرگومنٹ آف ڈیزائن فلسفے کی ایک مشہور دلیل ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے خطبات تشکیل جدید کے باب دوم کا آغاز ہی ان تین مشہور آرگومنٹس سے کیا ہے جو وجود خدا کے حق میں فلسفیوں نے آج تک دیے۔ انہیں عربی میں ادلہ ثلاثہ بھی کہتے ہیں:

دلیل کونی۔۔۔۔۔Cosmological Argument

دلیل غائی۔۔۔۔۔Argument Teleological

دلیل وجودی۔۔۔۔۔Ontological Argument

ان میں دلیل غائی کو آرگومنٹ آف ڈیزائن بھی کہتے ہیں۔ اس دلیل کے مطابق اس کائنات کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی ذہین مخلوق کی ایجاد ہے۔ ہر شے میں غایت پائی جاتی ہے۔ مثلاً جانور میٹھا پھل زیادہ شوق سے کھاتے ہیں تو میٹھے پھل کی گھٹلیاں بھی دوسرے درختوں کے مقابلے میں زیادہ زمین پر گرتی ہیں۔ درخت کو کس نے بتایا کہ وہ اپنے پھل کو میٹھا اور خوش ذائقہ بنا دے تو اس کی نسل ہمیشہ باقی رہ سکتی ہے؟ ثابت ہوا کہ کسی نے پہلے سے ڈیزائن کر رکھا ہے۔ یہ ہے دلیل غائی یا ٹیلیولاجیکل آرگومنٹ۔ رچرڈ ڈاکنز جو ڈاکنسٹ تحریک یعنی ڈاکنزم کے بانی ہیں۔ اُن کی مشہور کتابوں کے نام ہی بنیادی طور پر آرگومنٹ آف ڈیزائن کی نفی کرتے ہیں۔ مثلاً دی سیلفیش جین (The selfish gene) یا بلائنڈ واچ میکر یعنی اندھا گھڑی ساز وغیرہ، ڈاکنز کے ابتدائی دور کی مشہور ترین کتابیں ہیں۔ شروع شروع کے مباحث اور مناظروں میں ڈاکنز آرگومنٹ آف ڈیزائن کی شدید مخالفت کرتا تھا لیکن اکیسویں صدی میں فلکیات کی کوانٹم کی بے پناہ تھیوریز کے بعد اب ڈاکٹر نے کچھ عرصہ سے یہ تسلیم کرنا شروع کر دیا ہے کہ ڈیزائن تو ہو سکتا ہے لیکن وہ ڈیزائن خدا نے نہیں بنایا، کسی اور سیارے پر کوئی ہم سے زیادہ ذہین مخلوق ہو سکتی ہے اور وہ چاہے تو ایسا ڈیزائن بنا سکتی ہے۔ ڈاکنز کے شاگرد اور جانشین اور سخت لہجے کے سپیکر لارنس کراؤس سے سوال کیا گیا کہ کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ ہم سب کسی اور کا لکھا ہوا پروگرام ہوں اور کسی کمپیوٹر کی ڈسک میں چل رہے ہوں؟ تو انہوں نے ہنستے ہوئے جواب دیا، ممکن ہے، ضرور ممکن ہے، لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ جس نے وہ پروگرام لکھا وہ خدا ہی ہے؟

غرض آج کے عہد کا دہریہ (ایتھسٹ) یہ تسلیم کرتا ہے کہ ہمارا ڈیزائنر کوئی اور ہو سکتا ہے اور یہ عین سائنسی بات ہے۔ اب پیچھے رہ جاتا ہے، وہ خدا جسے کسی نے نہیں بنایا۔ جو خود سے ہے، جو ازل سے ہے اور جو ہمیشہ رہے گا، جو حی و قیوم ہے اور جو سب سے بڑی عقل کا مالک ہے۔ سو اس خدا

کے وجود سے ہنوز رچرڈ ڈاکنز کو انکار ہے۔ رچرڈ ڈاکنز اس کائنات کے بارے میں یہ مانتے ہیں کہ اسے کسی نے نہیں بنایا، یہ خود سے ہے، اور اسی کائنات نے سیارے پیدا کیے اور ان میں زندگی اور ذہانت پیدا کی۔ سٹرنگ تھیوری کے بعد رچرڈ ڈاکنز اس امکان کو بھی رد نہیں کرسکتے کہ کائنات (عالمین) ایک نہیں کئی ہیں۔ نظریہ اضافیت کے بعد رچرڈ ڈاکنز اس بات سے بھی انکار نہیں کرسکتے کہ کسی شخص کا ایک منٹ کسی اور شخص کے کئی سالوں کے برابر بھی ہو سکتا ہے۔ ڈاکنز خود مائیکرو بیالوجسٹ ہیں۔ وہ ڈی این اے کے انٹیلیجنٹ لینگوئج ہونے، اس میں تبدیلیوں کے امکان، میوٹیشن کے مافوق العقل وجود اور نئی نئی مخلوقات کی پیدائش سے کب انکار کرسکتے ہیں؟ انسان کبھی مکمل طور پر نان وائلنٹ مخلوق بن کر کسی خوشنما باغ میں ایسے رہ رہا ہو کہ اُسے ہزاروں سال موت نہ آئے، اس امکان سے بھی ایک مائیکرو بیالوجسٹ عہد حاضر میں انکار نہیں کرسکتا۔ اس سب پر مستزاد یہ ایک خاصی مشہور تھیوری بھی ہے کہ یہ کائنات سانس لیتا ہوا ایک ذہین فطین جاندار ہے جو فورتھ ڈائمینشنل ہے۔ علاوہ بریں پین سپر میا بھی ایک تھیوری ہے کہ کائنات حیات سے چھلک رہی ہے اور خلا میں اڑتے ہوئے پتھروں میں بھی ڈی این اے یا ابتدائی حیات کے امکانات مضمر ہیں۔

دراصل ڈاکنز کا اصل مسئلہ خدا نہیں ہے۔ نہ ہی مذہب ہے اور نہ ہی مذہبی ہونا ہے۔ ڈاکنز اور اس کے ماننے والوں کا اصل مسئلہ وہ سیٹ آف رولز ہے جسے نظام حیات کہتے ہیں۔ مذہب بھی ایک سیٹ آف رولز پیش کرتا ہے۔ جسے کمانڈ منٹس کہا جاتا ہے۔ ڈاکنز اور اس کے ماننے والوں کو اس سیٹ آف رولز کے ساتھ اختلاف ہے۔ مزید باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو یہ اختلاف بنیادی طور پر نظریہ علم کا اختلاف ہے یعنی ریپسٹمالوجی کا۔ مذہب کے نزدیک وحی ایک برتر سورس آف نالج یعنی ایک ایسا ذریعہ علم ہے جو ہمارے کمتر شعور کے لیے ہمیشہ رہنما کا کام دے سکتا ہے۔ دہریت کو یہ خیال مکمل طور پر نان اکیڈمک لگتا ہے۔ یہ بات بھی غلط نہیں کہ یہ سارا خیال حتی علوم کی ترقی کے بعد اکیڈمک محسوس ہونے لگا ہے۔ یہی کوئی سترھویں صدی عیسویں سے لے کر اب تک۔ اس سے قبل چونکہ حتی علوم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا تو دنیا کا ٹوٹل وژن ہی مختلف تھا۔ اگر ڈاکنسٹس اس امکان کو رد نہیں کرتے کہ ہم کسی اور زیادہ ذہین ہستی کا بنایا ہوا ڈیزائن ہوسکتے ہیں تو وہ اس امکان کو کیوں رد کر دیتے ہیں کہ ہم تک پہنچنے والی رہنمائی یعنی وحی بھی اس برتر شعور کی جانب سے بھیجی ہوئی ہدایت ہو سکتی ہے؟

غرض یہ مذہب نہیں جس کے پاس بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں بچا، بلکہ یہ دہریت ہے جس کے پاس بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں بچا، کیونکہ اب اس تھیوریز کے رش کے دور میں کہ جب آف سائنس کی پیدائش کا زمانہ گزر چکا ہے اور تھیوریز آف سائنس کی شدت کا زمانہ چل رہا ہے، کون انکار کرسکتا ہے کہ حسی سائنس چند دہائیاں بھی مزید اپنے پیروں پر کھڑی رہ سکتی ہے۔ سائنس پر عقلیت (ریشنلزم) پوری طرح غلبہ پانے کے قریب ہے اور وہ دن دور نہیں جب حسیت (امپر سزم) کے مقابلے میں دوبارہ عقلیت دنیا پر راج کرنے لگے گی۔ آپ غور کریں تو آپ کو فوراً یاد آئے گا کہ گزشتہ کئی دہائیوں سے سائنس نے کوئی لا (قانون) پیش نہیں کیا۔ جب بھی پیش کی تھیوری پیش کی۔ اب اس بات سے حتمی طور پر کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ دیکھیے سائنس میں لا آنے کا مطلب ہوتا ہے کہ تجربی سائنس کا عمل جاری ہے اور بار بار کے تجربہ سے فزیکل قوانین اخذ کیے جا رہے ہیں، لیکن تھیوریز کی بہتات کا مطلب ہے کہ عقلی سائنس کا عمل جاری ہے، جسے فلسفے کی زبان میں ریشنل ایکٹیویٹی کہتے ہیں۔ اب جو لوگ جانتے ہیں، وہ بخوبی اس فرق سے واقف ہیں جو ریشنل (عقلی) اور حسی (تجربی) میں علمیات کی رو سے پایا جاتا ہے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ جب تک دنیا پر ریشنلزم کا غلبہ رہا دنیا مابعد الطبیعات (میٹافزکس) کی دیوانی رہی۔ ریشنلزم سے نفرت کا آغاز بھی تو مابعد الطبیعات میں بڑے پیمانے پر شروع ہو جانے والی لایعنی بحثوں سے ہوا تھا۔ امام غزالی نے تہافۃ الفلاسفہ اس غصے میں لکھی تھی کہ فلسفی سب کچھ عقل کو ہی ماننے لگ گئے تھے۔ کانٹ نے تنقید عقل محض فقط اسی لیے لکھی تھی کہ مغربی فلاسفہ عقل سے استخراج (deduction) کرتے، خدا کے وجود پر دلائل دیتے اور بحثیں کرتے اور میٹافزکس کے زور پر ساری مسیحت اور اُس کے سارے عقائد کے جھنڈر کھول کر بیٹھ جاتے۔ تب کانٹ نے تنگ آکر عقل کے وہ لتے لیے کہ آج تک دنیا کانٹ کے عقل پر کیے گئے اعتراضات کا جواب نہیں دے سکتی۔ پھر کانٹ نے حسی علوم اور عقلی علوم کا ایک امتزاج،

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1, 2024

سنتھیٹک اے پری آری پیش کیا جسے اکیڈمک سطح پر عالمگیر پذیرائی ملی اور یوں دنیا بدلی اور یوں دنیا سائنسی ہوئی۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ سائنس کے نئے قوانین نہیں آرہے بلکہ مسلسل سائنسی تھیوریز آرہی ہیں۔ سائنسی تھیوری پیش کرنا ایک خالص عقلی سرگرمی ہے، نہ کہ تجربی۔ ایک سائنسدان اپنے ٹیبل پر بیٹھ کر ریاضی کی مساواتوں کو ایک دوسرے سے اخذ کرتا چلا جاتا ہے اور پھر ایک تھیوری بنتی ہے۔ سو یہ زمانہ یعنی اکیسویں صدی کا دور، یعنی ہمارا دور اب پھر سے عقلیت کا دور ہے نہ کہ تجربیت کا۔ یہ ہے بنیادی آرگومنٹ، جو اس مضمون میں، میرے پیش نظر ہے۔ تب کچھ نیا بدل جائے گی۔ دہریت کا نام ونشان تک نظر نہ آئے گا۔ اور وحی کی مابعد الطبیعات کو ایک بار پھر ریاضیاتی عقیدت کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ تب وحی کس شے کو سمجھا جائے گا، کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ ممکن ہے بولتی ہوئی فطرت کو ہی کل وحی سمجھ کر ایک دہریت زدہ نیا مذہب سامنے آجائے۔ اگر سوچیں تو برکلے، ہیگل، کانٹ جیسے لوگ آئن سٹائن سے کم دماغ نہ تھے۔ خود آئن سٹائن کے ہی دور میں نیلز بوھر جیسے سائنسدانوں کا اعتقاد حسیت سے اُٹھ چکا تھا۔ اقبال نے تشکیل کے دیباچے میں لکھا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب مذہب اور جدید سائنس میں ایسی ایسی مفاہمتیں دریافت ہونے لگیں گی کہ جو ہماری سوچ سے بھی ماوراہیں، کیونکہ جدید فزکس نے اپنی ہی بنیادوں کی تدوین شروع کر دی ہے۔ "

http://daleel.pk/2016/07/22/2160)

یہ جو کہا گیا کہ دہریت دم توڑ رہی ہے یہ علمی حوالے سے کہا گیا ہے کہ جو پرانے دور کے فلسفیوں، سائنسدانوں اور دیگر لوگوں کے مذہب کے خلاف قانون تھے وہ قوانین غلط ثابت ہو رہے ہیں اب جو دہریت کا سیلاب آرہا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو دیسی لبرل ہیں ذاتی مفاد کے لیے خود کو لبرل ظاہر کرتے ہیں، یا حرام خوری کا ایسا چسکا پڑا ہے کہ اب پردہ وحیا، حلال رزق کمانا ان کے لیے ممکن نہیں رہا یوں وہ شیطان کے ہاتھوں مکمل طور پر جکڑے جا چکے ہیں۔

دینی کتب

دہریت کی کوئی دینی کتاب نہیں ہے کیونکہ دینی کتب مذاہب کی ہوتی ہیں اور دہریت کوئی مذہب نہیں بلکہ زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا ایک نظریہ ہے۔ ان کے ہاں اگرچہ باقاعدہ کوئی مذہبی کتاب نہیں لیکن جس طرح ہر مذہب کسی ایک کتاب پر پکا یقین رکھتا ہے یونہی دہریے سائنس پر یقین رکھتے ہیں۔ جو سائنسی نظریہ مذہب کے خلاف ہو ان دہریوں کے نزدیک وہ ان کے نظریات کا حصہ ہے۔ سائنسی نظریات دریافت کرنے والے عموماً کسی نہ کسی مذہب سے وابستہ ہوتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ سائنسی نظریات آئے دن غلط ثابت ہوتے ہیں، لیکن دہریے لوگوں کو اپنے نظریات کا پرچار کرنے کے لئے ان ناقابل یقین سائنسی تحقیقات یا انسانوں کے بنائے ہوئے فلسفوی اصولوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ یہ ایک قابل غور بات ہے کہ پہلے دور میں جب کبھی زلزلہ آتا تو لوگ خوف زدہ ہو کر اللہ عزوجل کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے تھے اب میڈیا کے ذریعے زلزلوں، طوفانوں، سیلابوں کو ایک سائنسی انٹرٹینمنٹ بنا دیا گیا ہے۔ اب عوام الناس کو یہ ذہن دینے کی بجائے کہ یہ آفتیں ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہیں یہ ذہن دیا جاتا ہے کہ سائنسی طور پر جب یوں ہو تو زلزلہ ہوتا ہے، یوں ہو تو سونامی آتا ہے وغیرہ، یعنی اسباب ہی کو حقیقت سمجھ لیا جاتا ہے جبکہ ایک سیدھی سی بات ہے کہ اسباب کو بھی تو کوئی پیدا کرنے والا ہے، وہی خدا ہے۔ پھر یہ کہ اسباب ہی حقیقت میں مؤثر نہیں اس کی بڑی عقلی دلیل یہ ہے کہ اسباب وعلامات کو مد نظر رکھتے ہوئے بارش، آندھی، طوفان، سیلاب، زلزلوں کی پیشین گوئیاں کی جاتی ہیں لیکن کچھ نہیں ہوتا کیونکہ رب تعالیٰ کا حکم نہیں ہوتا اور جب حکم ہوتا ہے تو سائنس بھی حیران رہ جاتی ہے کہ یہ کیسے ہو گیا۔

عقائد و نظریات

دہریت کے عقائد و نظریات میں اللہ عزوجل کی ذات، انبیاء علیہم السلام، جنت و دوزخ کا کوئی تصور نہیں۔ ان کے نزدیک زندگی گزارنے کے لئے کسی مذہبی اصولوں کی پیروی ضروری نہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اپنی زندگی بغیر کسی مذہبی رکاوٹ کے گزاری جائے، زنا، شراب نوشی اور دیگر

جرائم بھی اگر کوئی کرتا ہے تو یہ کوئی گناہ نہیں بلکہ گناہ ہو ہی کیسے جب ان میں گناہ کا ہی تصور نہیں کیونکہ گناہ اور نیکی کا تصور آخرت پر یقین کی دلیل ہوتا ہے۔ اور دہریے تو آخرت کے بھی منکر ہیں۔

دہریے اپنی ذات کو روحانی سکون دینے کے لئے مذاہب بالخصوص اسلام کے خلاف زبان درازی کرتے ہیں اور باقاعدہ اپنا مال لگا کر دہریت کو عام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ تھوڑے بہت فلاحی کام سرانجام دے کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بہت بڑا تیر مار لیا ہے۔ مولویوں کے خلاف بولنا ان کی عادت و مقصد حیات ہے۔ دہریوں اور سیکولر لوگوں کے بنائی ہوئی بعض این۔ جی۔ اوز کا مقصد ہی اسلام کے خلاف اور کفار کے حق میں بولنا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ الحاد نے عیسائیت اور اسلام کے بنیادی عقائد یعنی وجود باری تعالی، رسالت اور آخرت پر حملہ کیا اور اس کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلائے، لیکن اس ضمن میں ملحدین کو کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہو سکی کیونکہ یہ تینوں عقائد مابعد الطبیعاتی حقائق سے تعلق رکھتے ہیں جسے اس دنیا کے مشاہداتی اور تجرباتی علم کی روشنی میں نہ تو ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ رد کیا جاسکتا ہے۔

عیسائیت پر ملحدین کا ایک اور بڑا حملہ یہ تھا کہ انہوں نے انبیاء کرام بالخصوص حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کے وجود سے انکار کر دیا۔ انہوں نے آسمانی صحیفوں بالخصوص بائبل کو قصے کہانیوں کی کتاب قرار دیا۔ اس الزام کا دفاع کرتے ہوئے کچھ عیسائی ماہرین نے علمی طور پر یہ بات ثابت کر دی کہ حضرت عیسی علیہ السلام ایک تاریخی شخصیت ہیں اور بائبل محض قصے کہانیوں کی کتاب ہی نہیں بلکہ اس میں بیان کئے گئے واقعات تاریخی طور پر مسلم ہیں اور ان کا ثبوت آثار قدیمہ کے علم سے بھی ملتا ہے۔ یہ الحاد کے مقابلے میں عیسائیت کی کسی حد تک فتح تھی۔

اسلام کے معاملے میں ملحدین ایسا نہ کر سکے کیونکہ قرآن اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخی حیثیت چیلنج کرنا ان کے لئے علمی طور پر ممکن نہ تھا۔ انہوں نے اسلام پر حملہ کرنے کی دوسری راہ نکالی۔ ان میں سے بعض کوتاہ قامت اور علمی بددیانتی کے شکار افراد نے چند من گھڑت روایات کا سہارا لے کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی کردار پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں بری طرح ناکام ہوئے کیونکہ ان من گھڑت روایات کی علمی و تاریخی حیثیت کو مسلم علماء نے احسن انداز میں واضح کر دیا جسے انصاف پسند ملحد محققین نے بھی تسلیم کیا۔

ان ملحدین نے اپنے سائنسی نظریات کے سبب عیسائیت پر ایک اور طرف سے بڑا حملہ کیا اور وہ یہ تھا کہ قرون وسطی کے عیسائی علماء نے اپنے وقت کے کچھ سائنسی اور فلسفیانہ نظریات کو اپنے نظام عقائد (Theology) کا حصہ بنا لیا تھا، لیکن جب جدید سائنسی تحقیقات سے یہ نظریات غلط ثابت ہوئے تو بہت سے لوگوں کا پوری عیسائیت پر اعتماد اٹھ گیا اور انہوں نے فکری طور پر بھی الحاد کو اختیار کر لیا۔ اسلام میں چونکہ اس قسم کے کوئی عقائد نہیں، لہذا اسلام اس قسم کے حملوں سے محفوظ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ الحاد کو مغرب میں تو بہت سے ایسے پیروکار مل گئے جو ہر قسم کے مذہب سے بیزاری کا اعلان کر کے خود کو فخریہ طور پر ملحد (Atheist) کہتے ہیں لیکن مسلمانوں میں انہیں ایسے پیروکار بہت کم مل سکے۔ مسلمانوں میں صرف ایسے چند لوگ ہی پیدا ہوئے جو زیادہ تر کمیونسٹ پارٹیوں میں شامل ہوئے۔ اگر ہم کمیونسٹ تحریک سے وابستہ نسلی مسلمانوں کا جائزہ لیں تو ان میں سے بھی بہت کم ایسے ملیں گے جو خود کو کھلم کھلا دہریہ یا ملحد کہلوانے پر تیار ہوں۔

خدا کی ذات کے متعلق جو شکوک و شبہات ان ملحدین نے پھیلائے تھے، اس کی بنیاد چند سائنسی نظریات پر تھی۔ بیسویں صدی کی سائنسی تحقیقات جو خود ان ملحدین کے ہاتھوں ہوئیں، نے یہ بات واضح کر دی کہ جن سائنسی نظریات پر انہوں نے اپنی عمارت تعمیر کی تھی، بالکل غلط ہیں۔ اس طرح ان کی وہ پوری عمارت اپنی بنیاد ہی سے منہدم ہو گئی جو انہوں نے تعمیر کی تھی۔

مذہب کے انکار میں ملحدین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مذہب دراصل قدیم انسانوں کی ایجاد ہے جسے انہوں نے اپنے فہم سے بالاتر سوالوں کے جواب نہ ہونے پر ذہنی تسکین کے لئے اپنا لیا تھا۔ لیکن اب سائنس کی ترقی نے انسان کو وہ سب کچھ بتا دیا ہے جس سے وہ پہلے لاعلم تھا۔ مثلاً گزشتہ زمانوں کے لوگوں نے جب سورج کو ایک مخصوص وقت پر طلوع ہوتے اور غروب ہوتے دیکھا تو ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اس کے پس پردہ ایک عظیم الشان اور مافوق الفطرت ہستی کے وجود کو تسلیم کر لیں۔ اسی طرح دیگر بہت سے سوالات جس کی بابت ان کے پاس کوئی

جواب نہ تھا اس کے متعلق انہوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا کہ یہ اسی غیبی ہستی کا کارنامہ ہے۔ لیکن چونکہ اب ہم اس دور میں جی رہے ہیں جہاں ہمیں ان سب کے فطری اسباب معلوم ہو چکے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ سورج کا نکلنا اور ڈوبنا زمین کے گرد گھومنے کی وجہ سے ہوتا ہے لہذا ہمیں اس کا کریڈٹ کسی خدا کو دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح کائنات کے دیگر فطری عوامل کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے بھی خدا کے بجائے اس کی توجیہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔

عقیدہ آخرت کے بارے میں ملحدین کا موقف ہے کہ موت واقع ہو جانے کے بعد انسان کا تعلق اس دنیا سے ختم ہو جاتا ہے اور پھر وہ کبھی لوٹ کے نہیں آتا۔ مرنے سے پہلے ہم موت کے بعد کیا ہوتا اور کچھ ہوتا بھی ہے یا نہیں اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے، اس لئے عقیدہ آخرت کو تسلیم کرنا غیر ضروری ہے۔ ان کے نزدیک چونکہ مذہبی عقائد کی کوئی ٹھوس قابل مشاہدہ دلیل نہیں ہوتی لہذا اسے اب ایک گزرے ہوئے زمانے کا قصہ سمجھ کر بھول جانا چاہئے اور مذہبی عقائد کو تسلیم کرنا انسانی عقل کی شان کے خلاف ہے کیونکہ جن سوالات اور مسائل کے لئے خدا اور مذہب کا وجود تھا اب ہمارے پاس ان کے خالص ٹیکنیکل اور منطقی جوابات موجود ہیں۔ ان ملحدین فلاسفہ کا اصرار ہے کہ ایک عقل پسند شخص ایسی کسی بات پر ایمان نہ لائے جس کا مشاہدہ حواس خمسہ سے نہ ہو۔ حالانکہ ایمان ہے ہی غیب پر یقین رکھنے کا نام۔ پھر عقلی اعتبار سے بھی کئی مرتبہ مذہب اسلام کی حقانیت ثابت ہوتی ہے جب کئی سالوں بعد مدفون نیکوکار ہستیاں صحیح سلامت کفن و جسم کے ساتھ دیکھی جاتی ہیں، جبکہ سائنس و عقل اس کو تسلیم نہیں کرتی، یونہی کئی کفار و فساق کی قبروں میں عذاب کے آثار دیکھے گئے ہیں اور نیکوکاروں کی قبروں سے خوشبوئیں محسوس کی گئی ہیں وغیرہ۔

نفس انسانی کے متعلق ملحدین کا نقطہ نظر:

اہل مذہب نفس انسانی سے متعلق امور کو روح سے جوڑتے ہیں، چونکہ روح کا کوئی مادی وجود نہیں ہے، لہذا ملحدین روح کو نہیں مانتے۔ ملحدین کی اکثریت نظریہ ارتقا (Evolution Theory) کو ایک حقیقت تسلیم کرتے ہوئے نفس انسانی کے متعلق یہ مانتے ہیں کہ روئے زمین پر اربوں سال پہلے ساحل سمندر سے زندگی کی ابتدا ہوئی۔ پھر اس سے نباتات اور اس کی مختلف انواع وجود میں آئیں۔ پھر نباتات سے ترقی کرتے کرتے حیوانات پیدا ہوئے۔ انہی حیوانات میں سے ایک بندر تھا، جو نیم انسانی حالت کے مختلف مدارج سے ترقی کرتا ہوا موجودہ انسان کا وجود ہوا۔ انسان کے نفس میں جو کچھ اس کی تمنائیں، جذبات، عقل وغیرہ سبھی صرف خلیوں (Cells) کے نظام اور خارجی دنیا کے ساتھ انسانی جسم کے تعلق کا نتیجہ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے دو پتھروں کو باہم رگڑنے سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔ یہ کئی عرصہ تک دہریوں اور سائنس کا نظریہ رہا ہے لیکن موجودہ دور میں اس نظریے کا شد و مد سے سائنسی اور عقلی رد ہو رہا ہے جس کے بارے میں آپ کو معلومات نیٹ سے با آسانی مل سکتی ہیں۔

طرز حیات:

دہریت کے افکار میں خدا کے وجود کے انکار کے ساتھ ہی لازمی نتیجہ کے طور پر وحی اور آسمانی صحائف کی بھی کوئی حقیقت و اہمیت باقی نہیں رہتی۔ اہل مذہب کے مطابق خدا تعالیٰ نے زندگی گزارنے کے لئے وحی نازل فرمائی تاکہ انسان ان احکامات کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔ لیکن جب مذہب کا انکار کیا جا رہا ہو تو پھر طرز حیات کے متعلق سوچ و فکر میں بھی تبدیلیاں آتی ہیں۔ ملحدین طرز حیات کے متعلق عام طور پر سیکولرزم اور معاشیات میں سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کے قائل ہیں۔

فری سیکس:

الحاد کے فروغ کے ساتھ ہی مغرب میں جنسی آزادی کا تصور بیدار ہوا۔ اکثر ملحدین کے مطابق کھانے پینے سونے کی طرح جنسی خواہشات کی تکمیل انسان کی فطری خواہش ہے، لہذا انسان کو اجازت ہونی چاہئے کہ وہ جس طرح چاہے اپنی جنسی خواہش پوری کرے۔ اسی وجہ سے ان کے نزدیک زنا بالجبر ایک غلط کام ہے مگر دونوں فریقین کی رضامندی سے ہونے والے جنسی تعلق میں کوئی برائی نہیں۔

فری سیکس کے تصور کو سب سے پہلے اہل مغرب میں مشہور ملحد ماہر نفسیات اور نیورولوجسٹ سگمنڈ فرائڈ(1939ء-1856ء) نے پیش کیا تھا۔ فرائڈ کے مطابق جس طرح انسان بھوک، پیاس وغیرہ جیسی خواہشات کو پورا نہ کرے تو بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے اسی طرح جنسی خواہش کی تکمیل نہ ہونے پر بھی انسان ذہنی مریض بن جاتا ہے۔ فرائڈ کے نظریے کو اہل مغرب نے بخوشی قبول کیا اور مصنفین، فلسفی، موسیقار، شعراء، ڈرامہ نگار اور فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والے سبھی لوگوں نے اس تصور کے فروغ کے لئے اپنی اپنی کوششیں کیں۔ دور حاضر میں جب مغرب میں فلم انڈسٹری قائم ہوئی تو اس انڈسٹری نے بھی جنسی آزادی کے تصور کو پروان چڑھایا۔ ابتدا میں عمومی قسم کی فلموں کے ذریعے لوگوں کے جنسی جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی گئی لیکن جلد ہی باقاعدہ طور پر اس مقصد کی تکمیل کے لئے پورنوگرافی (Pornography) پر مبنی فلم انڈسٹری قائم کی گئی جس کا اہم مقصد اباحیت اور ننگے پن (Nudism) کا فروغ ہے۔ اس انڈسٹری میں کام کرنے والوں کو مغرب میں اس عصمت فروشوں کی حیثیت سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ یہ محض ایک فلمی پیشے کی حیثیت رکھتا ہے۔

ماضی میں خواتین میں فری سیکس تحریک کے فروغ میں ایک اہم رکاوٹ جنسی تعلق سے حاملہ ہونے کا خوف تھا لیکن مانع حمل ادویات کی ایجاد نے اس تصور سے متاثر خواتین کو اس میدان میں آگے بڑھنے کا موقع دیا کہ وہ شادی کے بغیر جنسی تعلق سے بھی حاملہ نہ ہوں۔ بعد ازاں مغرب میں آزادانہ جنسی تعلق کو قانونی حیثیت حاصل ہوگئی۔ جس کے مطابق زنا بالجبر کے علاوہ انسان جس طرح جس سے چاہے اپنی جنسی خواہش پوری کر سکتا ہے۔ اگر وہ ہم جنس پرستی کرے تو اس پر کوئی تنقید نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اس کا حق ہے۔ بیسویں صدی میں انٹرنیٹ اور الیکٹرانک میڈیا کی بدولت اہل مشرق بھی اس جنسی بے راہ روی سے شدید متاثر ہوئے جس کا نتیجہ آج ہم بخوبی دیکھ رہے ہیں۔ فی زمانہ ٹرانسجینڈر قانون بھی دہریت ہی کی پیداوار ہے۔

سیاست:

فکری اور نظریاتی میدان میں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ الحاد اسلام کے مقابلے میں ناکام رہا مگر عیسائیت کے مقابلے میں اسے جزوی فتح حاصل ہوئی البتہ سیاسی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی میدانوں میں الحاد کو مغربی اور مسلم دنیا میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ سیاسی میدان میں الحاد کی سب سے بڑی کامیابی سیکولرازم کا فروغ ہے۔ پوری مغربی دنیا اور مسلم دنیا کے بڑے حصے نے سیکولرازم کو اختیار کر لیا۔ سیکولرازم کا مطلب ہی یہ ہے کہ مذہب کو گرجے یا مسجد تک محدود کر دیا جائے اور کاروبار زندگی کو خالصتاً انسانی عقل کی بنیاد پر چلایا جائے جس میں مذہبی تعلیمات کا کوئی حصہ نہ ہو۔

مغربی دنیا نے تو سیکولرازم کو پوری طرح قبول کر لیا اور اب اس کی حیثیت ان کے ہاں ایک مسلمہ نظریے کی ہے۔ انہوں نے اپنے مذہب کو گرجے کے اندر محدود کر کے کاروبار حیات کو مکمل طور پر سیکولر کر لیا ہے۔ چونکہ اہل مغرب کے زیر اثر مسلمانوں کی اشرافیہ بھی الحاد کے اثرات کو قبول کر چکی تھی، اس لئے ان میں سے بھی بہت سے ممالک نے سیکولرازم کو بطور نظام حکومت کے قبول کر لیا۔ بعض ممالک جیسے ترکی اور تیونس نے تو اسے کھلم کھلا اپنانے کا اعلان کیا لیکن مسلم ممالک کی اکثریت نے سیکولرزم اور اسلام کا ایک ملغوبہ تیار کرنے کی کوشش کی جس میں بالعموم غالب عنصر سیکولرزم کا تھا۔ الحاد کو فروغ جمہوریت کے نظریے سے بھی ہوا۔ اگرچہ جمہوریت عملی اعتبار سے اسلام کے مخالف نہیں کیونکہ اسلام میں بھی آزادی رائے کو بڑی اہمیت حاصل ہے، لیکن جمہوریت جن نظریاتی بنیادوں پر قائم ہے وہ خالصتاً ملحدانہ ہے۔ جمہوریت کی بنیاد حاکمیت جمہور کے نظریے پر قائم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عوام کی اکثریت خدا کی مرضی کے خلاف فیصلہ دے دے تو ملک کا قانون بنا کر اس فیصلے کو نافذ کر دیا جائے۔ اس کی واضح مثال ہمیں اہل مغرب کے ہاں ملتی ہے جہاں اپنے دین کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہوئے انہوں نے فری سیکس، ہم جنس پرستی، شراب اور سود کو حلال کر لیا ہے۔ مسلمانوں کے ہاں اس کی مثال شاید ترکی ہی میں مل سکتی ہے یا پاکستان میں زنا بالرضا، ہم جنس پرستی پر آئے دن میڈیا پر ہونے والے پروگراموں میں یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ کس طرح بعض نام نہاد مسلمان اینکرز، سیاستدان اور این جی اوز کے ارکان ان غیر شرعی افعال کی تائید کر رہے ہوتے ہیں۔ اسلام نظریاتی طور پر جمہوریت کے اقتدار اعلیٰ کے نظریے کا شدید مخالف

ہے۔ اسلام کے مطابق حاکیت اعلیٰ جمہور کا حق نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اسلام کی نظر میں اللہ تعالی کے سوا کسی اور کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرنا شرک ہے۔ سب سے بڑا اقتدار (Sovereignty) صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر معاملہ مشورے سے طے کریں۔

معیشت:

معیشت کے باب میں الحاد نے دنیا کو دو نظام دیے۔ ان میں سے ایک ایڈم سمتھ کا سرمایہ دارانہ نظام یا کیپیٹل ازم اور دوسرا کارل مارکس کی اشتراکیت یا کمیونزم۔ کیپیٹل ازم در اصل جاگیر دارانہ نظام (Feudalism) ہی کی ایک نئی شکل ہے جو عملی اعتبار سے جاگیر دارانہ نظام سے تھوڑا سا بہتر ہے۔ کیپیٹل ازم میں مارکیٹ کو مکمل طور پر آزاد چھوڑا جاتا ہے جس میں ہر شخص کو یہ آزادی ہوتی ہے کہ وہ دولت کے جتنے چاہے انبار لگالے۔ جس شخص کو دولت کمانے کے لامحدود مواقع میسر ہوں وہ امیر سے امیر تر ہوتا جائے گا اور جسے یہ مواقع میسر نہ ہوں وہ غریب سے غریب تر ہوتا چلا جائے گا۔ حکومت اس سلسلے میں کوئی مداخلت نہیں کرتی۔ سرمایہ دارانہ نظام کا اصرار ہے کہ ہر انسان کو تجارتی و صنعتی سرگرمیوں کے لئے قطعی آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ منافع کے لئے جو طریقہ مناسب سمجھے اختیار کرلے، منافع کے حصول کے لئے مذہبی قوانین کے تحت حلال و حرام کی کوئی تفریق نہیں ہوئی چاہئے۔ نیز اس معاشی نظام میں سود، بیمہ، انٹرسٹ وغیرہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ جاگیر دارانہ نظام کی طرح اس نظام میں بھی سرمایہ دار، غریب کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اس کا استحصال کرتا ہے۔ غریب اور امیر کی خلیج اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ ایک طرف تو گھی کے چراغ جلائے جاتے ہیں اور دوسری طرف کھانے کو دال بھی میسر نہیں ہوتی۔ ایک طرف تو ایک شخص ایک وقت کے کھانے پر ہزاروں روپے خرچ کر دیتا ہے اور دوسری طرف ایک شخص کو بھوکا سونا پڑتا ہے۔ ایک طرف تو علاج کے لئے امریکہ یا یورپ جانا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا اور دوسری طرف ڈسپرین خریدنے کی رقم بھی نہیں ہوتی۔ ایک طرف بچوں کو تعلیم کے لئے ترقی یافتہ ممالک کی یونیورسٹیوں کے دروازے کھلے ہوتے ہیں اور دوسری طرف بچوں کو سرکاری سکول میں تعلیم حاصل دلوانے کے لئے بھی ماں باپ کو فاقے کرنا پڑتے ہیں۔ ایک طرف محض ایک لباس سلوانے پر لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں اور دوسری طرف استعمال شدہ کپڑے خریدنے کے لئے بھی پیٹ کاٹنا پڑتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے اس تفاوت کی مکمل ذمہ داری الحاد پر ہی نہیں ڈالی جاسکتی کیونکہ اس کا پیشرو نظام فیوڈل ازم، جو کہ اس سے بھی زیادہ استحصالی نظام ہے۔ اٹھارہویں صدی کے صنعتی انقلاب کے بعد فیوڈل ازم کی کوکھ سے کیپیٹل ازم نے جنم لیا جو کہ امیر کے ہاتھوں غریب کے استحصال کا ایک نیا نظام تھا لیکن اس کا استحصالی پہلو فیوڈل ازم کی نسبت کم تھا کیونکہ وہاں تو بہتر مستقبل کی تلاش میں غریب کسی اور جگہ جا بھی نہیں سکتا۔ چونکہ اہل مغرب اور اہل اسلام اپنے دین کی تعلیمات سے خاصے دور ہو چکے تھے، اس لئے یہ نظام اپنے پورے استحصالی رنگ میں پنپتا رہا۔ یورپ میں کارل مارکس نے کیپیٹل ازم کے استحصال کے خلاف ایک عظیم تحریک شروع کی جس میں اس نظام کی معاشی ناہمواریوں پر زبردست تنقید کی گئی۔ مارکس اور ان کے ساتھی فریڈرک اینجلز، جو بہت بڑا ملحد فلسفی تھا، نے پوری تاریخ کی ایک نئی توجیہ (Interpretation) کر ڈالی جس میں اس نے معاش ہی کو انسانی زندگی اور انسانی تاریخ کا محور و مرکز قرار دیا۔ ان کے نزدیک تاریخ کی تمام جنگیں، تمام مذاہب اور تمام سیاسی نظام معاشیات ہی کی پیداوار تھے۔ انہوں نے خدا، نبوت اور آخرت کے عقائد کا انکار کرتے ہوئے دنیا کو ایک نیا نظام پیش کیا جسے تاریخ میں کمیونزم کے نام سے یاد رکھا جائے گا۔ کمیونزم کا نظام خالصتاً الحادی نظام تھا۔ کمیونسٹ نظام انفرادی ملکیت کی مکمل نفی کرتا ہے۔ اسے اشتراکی نظام بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں کوئی بھی کاروبار شخص کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ قومی ملکیت ہوتی ہے اور سبھی افراد حکومت کے ملازم ہوتے ہیں۔ اشتراکیت کی مختلف صورتیں موجودہ دور میں رائج ہیں۔

اس نظام میں تمام ذرائع پیداوار جن میں زراعت، صنعت، کان کنی اور تجارت شامل ہے کو مکمل طور پر حکومت کے کنٹرول میں دے دیا جاتا ہے۔ پوری قوم ہر معاملے میں حکومت کے فیصلوں پر عمل کرتی ہے جو کہ کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ کمیونسٹ جدوجہد پوری دنیا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1, 2024

میں پھیل گئی۔ اسے سب سے پہلے کامیابی روس میں ہوئی جہاں لینن کی قیادت میں 1917ء میں کمیونسٹ انقلاب برپا ہوا اور دنیا کی پہلی کمیونسٹ حکومت قائم ہوئی۔ دوسرا بڑا ملک، جس نے کمیونزم کو قبول کیا، چین تھا۔ باقی ممالک نے کمیونزم کی تبدیل شدہ صورتوں کو اختیار کیا۔

کمیونزم کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ اس میں فرد کے لئے کوئی محرک (Incentive) نہیں ہوتا جس سے وہ اپنے ادارے کے لئے اپنی خدمات کو اعلیٰ ترین انداز میں پیش کرسکے اور اس کے لئے زیادہ سے زیادہ محنت کرسکے۔ اس کے برعکس کیپیٹل ازم میں ہر شخص اپنے کاروبار کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے اور اس سے زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لئے دن رات محنت کرتا ہے اور اپنی اعلیٰ ترین صلاحیتیں استعمال کرتا ہے۔ کمیونزم کی دوسری بڑی خامی یہ تھی کہ پورے نظام کو جبر کی بنیادوں پر قائم کیا گیا اور شخصی آزادی بالکل ہی ختم ہو کر رہ گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سوویت یونین کی معیشت کمزور ہوتی گئی اور بالآخر 1990ء میں یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا۔ اس کے بعد اسے کیپیٹل ازم ہی کو اپنانا پڑا۔ دوسری طرف چین کی معیشت کا حال بھی پتلا تھا۔ چین نے اپنی معیشت کو بہتر بنانے کے لئے کمیونزم کو خیر باد کہہ دیا اور تدریجاً اپنی مارکیٹ کو اوپن کر کے کیپیٹل ازم کو قبول کر لیا۔ چین کی موجودہ ترقی کیپیٹل ازم ہی کی مرہون منت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کیپیٹل ازم اور کمیونزم دونوں نظام ہائے معیشت ہی استحصال پر مبنی نظام ہیں۔ ایک میں امیر غریب کا استحصال کرتا ہے اور دوسرے میں حکومت اپنی عوام کا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے اہل مغرب نے اعلیٰ ترین اخلاقی اصولوں کو اپنا کر کیپیٹل ازم کے استحصالی نقصانات کو کافی حد تک کم کر لیا ہے، لیکن تیسری دنیا جس کی اخلاقی حالت بہت کمزور ہے وہاں اس کے نقصانات کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ چونکہ یہاں ہم الحاد کی تاریخ وافکار کا مطالعہ کر رہے ہیں اس لئے یہ کہنا مناسب ہو گا کہ پچھلی تین صدیوں میں معیشت کے میدان میں الحاد کو دنیا بھر میں واضح برتری حاصل رہی ہے اور دنیا نے الحاد پر قائم دو نظام ہائے معیشت یعنی کیپیٹل ازم اور کمیونزم کا تجربہ کیا ہے۔ کمیونزم تو اپنی عمر پوری کر کے تاریخ کا حصہ بن چکا ہے، اس لئے اس پر ہم زیادہ بحث نہیں کرتے لیکن کیپیٹل ازم کے چند اور پہلوؤں کا ایک مختصر جائزہ لینا ضروری ہے جو انسانیت کے لئے ایک خطرہ ہیں۔

کیپیٹل ازم کے نظام کی بنیاد سود پر ہے۔ بڑی بڑی صنعتوں کے قیام اور بڑے بڑے پراجیکٹس کی تکمیل کے لئے وسیع پیمانے پر فنڈز کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک سرمایہ دار کے لئے اتنی بڑی رقم کا حصول بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگر اس کے پاس اتنی رقم موجود بھی ہو تو اسے ایک ہی کاروبار میں لگانے سے کاروباری خطرہ (Business Risk) بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ ایک کاروبار اگر ناکام ہو جائے تو پوری کی پوری رقم ڈوبنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگر وہی رقم تھوڑی تھوڑی کر کے مختلف منصوبوں میں لگائی جائے تو ایک منصوبے کی ناکامی سے پوری رقم ڈوبنے کا مخطرہ نہیں ہوتا اور تمام کے تمام منصوبوں کے ڈوبنے کا خطرہ بھی نہیں ہوتا۔ اسے علم مالیات Finance کی اصطلاح میں Diversification کہا جاتا ہے۔

ان بڑے بڑے پراجیکٹس کے لئے رقم کی فراہمی کے لئے دنیا نے Financial Intermediaries کا نظام وضع کیا ہے۔ اس درمیانی واسطے کا سب سے بڑا حصہ بینکوں پر مشتمل ہے۔ یہ بینک عوام الناس کی چھوٹی چھوٹی بچت کی رقوم کو اکٹھا کرنے کا کام کرتے ہیں جس پر بینک انہیں سود ادا کرتا ہے۔ پوری ملک کے لوگوں کی تھوڑی تھوڑی بچتوں کو ملا کر بہت بڑی تعداد میں فنڈ اکٹھا کر لیا جاتا ہے جو انہی سرمایہ داروں کو کچھ زیادہ شرح سود پر دیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر بینک عوام کو 8٪ سود کی ادائیگی کر رہا ہے تو سرمایہ دار سے 10٪ سود وصول کر رہا ہو گا۔ اس 2٪ میں بینک اپنے انتظامی اخراجات پورے کر کے بہت بڑا منافع بھی کما رہا ہوتا ہے۔

سرمایہ دار عموماً اپنے سرمایے کو ایسے کاروبار میں لگاتے ہیں جو اس سرمایے پر بہت زیادہ منافع دے سکے۔ اگر ہم دنیا بھر کی مختلف کمپنیوں کی سالانہ رپورٹس (Annual Reports) کا جائزہ لیں تو ہمیں اس میں ایسے کاروبار بھی ملیں گے جن میں Return on Capital Employed کی شرح 50٪ سالانہ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو گی۔ اس منافع کا ایک معمولی سا حصہ بطور سود ان غریب لوگوں کے حصے میں بھی آتا ہے جن کا سرمایہ دراصل اس کاروبار میں لگا ہوتا ہے۔

اس کو ایک مثال سے اس طرح سمجھ لیجئے کہ بالفرض ایک سرمایہ دار کسی بینک سے ایک ارب روپے 10 ٪ سالانہ شرح سود پر لیتا ہے اور اس سرمائے سے پچاس کروڑ روپے سالانہ نفع کماتا ہے۔ اس میں سے وہ دس کروڑ بینک کو بطور سود ادا کرے گا اور بینک اس میں سے 8 ٪ سالانہ کے حساب سے آٹھ کروڑ روپے اپنے کھاتہ داروں (Deposit Holders) کو ادا کرے گا۔ چونکہ یہ کھاتہ دار بہت بڑی تعداد میں ہوں گے جنہوں نے اپنی تھوڑی تھوڑی بچت بینک میں جمع کروائی ہوگی، اس لئے ان میں سے ہر ایک کے حصے میں چند ہزار یا چند سو روپے سے زیادہ نہیں آئے گا۔ اس طریقے سے سرمایہ دار، عام لوگوں کو چند ہزار روپے پر ٹرخا کر ان کا پیسہ استعمال کرتا ہے اور اسی پیسے سے خود کروڑوں روپے بنالیتا ہے۔ اس مثال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس طرح جاگیر دارانہ نظام میں جاگیر دار یا مہاجن غریبوں کو سود پر رقم دے کر ان کا استحصال کیا کرتا تھا، اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ دار غریبوں سے سود پر رقم لے کر ان کا استحصال کرتا ہے۔ عوام الناس بھی تھوڑا سا سود کھا کر جہاں اپنی دنیا و آخرت خراب کرتی ہے وہاں اپنی رقم کاروبار میں نہ لگا کر اس کی ویلیو کم کرتی ہے، وہ لاکھ جس سے کچھ سال پہلے کافی چیزیں خریدی جا سکتی تھیں وہی لاکھ بینک میں پڑا پڑا چند ہزار کے برابر ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ فیوڈل ازم کے مہاجنی سود کا سلسلہ بھی اس نظام میں پوری طرح جاری ہے جس میں کریڈٹ کارڈز کے ذریعے مائیکرو فنانسنگ Micro-Financing کا سلسلہ جاری ہے۔ اس معاملے میں 36٪ سالانہ کے حساب سے سود بھی وصول کیا جا رہا ہے۔ اس سود میں سے صرف 8-10 ٪ اپنے کھاتہ داروں کو ادا کیا جا رہا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی ایک اور پہلو جوئے کا فروغ ہے۔ یہ لعنت فیوڈل ازم میں بھی اسی طرح پائی جاتی تھی۔ دنیا بھر میں جوا کھیلنے کے بڑے بڑے ادارے قائم کئے جا چکے ہیں۔ سٹاک ایکسچینج، فاریکس کمپنیز اور بڑی بڑی کیپیٹل اور منی مارکیٹس ان کیسینوز کے علاوہ ہیں جہاں بڑی بڑی رقوم کا سٹہ کھیلا جاتا ہے۔ کھربوں روپے سٹے میں برباد کر دیے جاتے ہیں مگر بھوک سے مرنے والے بچوں کا کسی کو خیال نہیں آتا۔ ان کیسینوز میں جوئے کے ساتھ ساتھ بے حیائی اور بدکاری کو بھی فروغ مل رہا ہے بلکہ دنیا بھر میں سیاحت کو فروغ دینے کے لئے جوئے اور بدکاری کے مراکز بھی قائم کئے جا چکے ہیں۔ سود اور جوا ایسی برائیاں ہیں جن کا تعلق الحاد کی اخلاقی بنیادوں سے قائم کیا سکتا ہے۔

اخلاق اور معاشرت

الحاد کے اثرات سے جو چیز سب سے زیادہ متاثر ہوئی ہے، وہ اخلاق انسانی اور نظام معاشرت ہے۔ اگر کوئی یہ مان لے کہ اس دنیا کا کوئی خدا نہیں ہے، موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے جہاں اسے اپنے کئے کا حساب دینا ہوگا تو پھر سوائے حکومتی قوانین یا معاشرتی دباؤ کے کوئی چیز دنیا میں اسے کسی برائی کو اختیار کرنے سے نہیں روک سکتی۔ پھر اس کی زندگی کا مقصد اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ دولت اور اس سے لطف اندوز ہونا ہی رہ جاتا ہے۔

اگر مذہب نہ ہو تو اخلاقی و معاشرتی صورتحال:

اگر کسی کو یقین ہو کہ کوئی اسے نہیں پکڑ سکتا تو پھر کیا حرج ہے کہ اگر وہ اپنے کسی بوڑھے رشتے دار کی دولت کے حصول کے لئے اس کو زہر دے دے؟ اگر وہ اتنا ہوشیار ہو کہ پولیس اس کا سراغ نہیں لگا سکتی تو پھر لاکھوں روپے کے حصول کے لئے چند بم دھماکے کر کے دہشت گرد بننے میں کیا حرج ہے؟ قانون سے چھپ کر کسی کی عصمت دری سے اگر کسی کی درندگی کی تسکین ہوتی ہے تو اس میں کیا رکاوٹ ہے؟ اپنی خواہش کی تسکین کے لئے بچوں کو اغوا کر کے، ان سے زیادتی کر کے، انہیں قتل کر کے تیزاب میں گلا سڑا دینے میں آخر کیا قباحت ہے؟ اپنے یتیم بھتیجے کا مال ہڑپ کر جانے سے آخر کیا فرق پڑتا ہے؟ جھوٹا کلیم داخل کر کے اگر کسی کو اچھی خاصی جائیداد مل سکتی ہے تو کوئی ایسا کیوں نہ کرے؟ کسی کو اپنی گاڑی کے نیچے کچلنے کے بعد اسے ہسپتال تک پہنچا کر اپنا وقت برباد کرنے کی آخر کیا ضرورت ہے؟ جائیداد کو تقسیم ہونے سے بچانے کے لئے اگر کوئی اپنی بہن یا بیٹی پر کاروکاری کا الزام لگا کر اسے قتل کر دے تو کیا قیامت برپا ہو جائے گی؟ اپنے دشمنوں کی بہو بیٹیوں کو برہنہ کر کے بازاروں میں گھمانے پھرانے سے اگر کسی کے انتقامی جذبات سرد پڑتے ہیں تو ایسا کرنے میں کیا حرج ہے؟ اپنی لاگت (Cost) کو کم کرنے کے لئے اگر کوئی خوراک یا ادویات میں ملاوٹ بھی کر دے اور خواہ چند لوگ مر بھی جائیں تو کیا ہے، اس کا منافع تو بڑھ جائے گا؟ ذخیرہ اندوزی کر کے اگر کسی کے مال کی

قیمتیں چڑھ سکتی ہیں تو وہ ایسا کیوں نہ کرے ؟ اگر تیز رفتاری میں کسی کو مزہ آتا ہے تو کیا فرق پڑتا ہے اگر اس سے کوئی ایک آدھ آدمی مر جائے یا ہمیشہ کے لئے معذور ہو جائے، اتنے مزے کے لئے ایک آدھ بندہ مارنا کونسا مسئلہ ہے ؟ اگر کوئی کسی کے نظریات سے اختلاف کرے تو اسے گولی مارنے میں کیا قباحت ہے ؟ یا پھر یہ سب نہ بھی ہو تو کوئی اپنا وقت معاشرے کی خدمت میں کیوں لگائے ، وہ اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ enjoyment کے حصول میں ہی کیوں نہ خرچ کرے ؟

اگر کوئی اپنے جرم کو چھپا سکتا ہو تو پھر سرکاری سودوں میں کمیشن کھا کر ملک و قوم کو نقصان پہنچانے میں کیا چیز مانع ہے ؟ اگر ڈاکٹروں کے اندر مذہب ختم ہو جائے اور قبر و حشر کا خوف نہ ہو تو ڈاکٹروں کو مریضوں سے ہمدردی کرنے کی کیا وجہ ہے ؟ وہ کیوں نہ ان کو بار بار اس لیب سے ٹیسٹ کروانے کا کہیں جہاں ہزاروں روپے غریب مریض کے خرچ ہوں اور لیب والے ڈاکٹر کو اس پر بھاری کمیشن دیں، وہ مریضوں کو وہ ادوایات ڈھیر ساری کیوں نہ لکھ کر دیں جن ادویات کی کمپنیوں نے ڈاکٹروں کو گاڑیاں اور دیگر سہولیات دی ہوتی ہیں ؟ وہ انجینئرز کیوں نہ اپنی ڈگری جاہل ان پڑھ ٹھیکے داروں کو دیں جو ان کو اس ڈگری پر اجرت دیتے ہیں اور ناقص تعمیرات کر کے لوگوں کی جانوں سے کھیلتے ہیں ؟ وہ سرکاری بڑے بڑے افسران رشوت کا بازار کیوں نہ گرم کریں جو اپنی ڈیوٹی ایمانداری سے نہیں کرتے اور لاکھوں روپے تنخواہیں لینے کے باوجود کروڑوں روپے رشوتیں لیتے اور یہی سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا حق ہے ؟ وہ سیاسی لیڈر جس کو مذہبی روک ٹوک نہ ہو تو پھر وہ ملک کو لوٹ لوٹ کر کھوکھلا کیوں نہ کرے اور باہر کے ممالک میں اپنی جائیدادیں بنانے، کافروں سے اتحاد کی پینگیں بڑھانے، ان کی عبادت گاہوں میں جانے، بے حیائی و بے دینی کے قوانین منظور کرنے، ختم نبوت و ناموس رسالت پر ڈاکے ڈالنے میں کیا رکاوٹ ہے ؟

یہ وہ مثالیں ہیں جو روزانہ ہمارے سامنے اخبارات میں آتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم وحشی درندوں کے درمیان اپنی زندگی گزار رہے ہیں جن پر انسان اور مسلمان ہونے کا محض لیبل لگا ہوا ہے۔ کم و بیش اسی قسم کے واقعات تیسری دنیا کے دیگر ممالک میں بھی پیش آتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ مسلم دنیا پر بھی الحاد کے یہ افکار غالب آ چکے ہیں۔ ایسا تو نہیں ہوا کہ مسلمان توحید، رسالت اور آخرت کا کھلم کھلا انکار کر دیں لیکن عملی طور پر ہم ان حقیقتوں سے غافل ہو چکے ہیں۔ ہمارا میڈیا، بعض سیاستدان، اینکرز این جی اوز ہماری عوام کو بے حس بنا رہے ہیں کہ ناموس رسالت پر اگر کوئی حملہ کرتا ہے تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے مسلمانوں کو اس بارے میں قانون ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے اگرچہ قانون خاموش تماشائی بنا رہے اور مسلمان اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے پیارے نبی علیہ السلام کی عزت کو پامال ہوتے دیکھتے رہیں، پھر اگر کوئی غیرت مند مسلمان فتنہ کو ختم کرے تو اس پر اعتراض شروع کر دیے جائیں کہ اس نے قانون ہاتھ میں کیوں لیا۔ یونہی شرعی احکام بالخصوص حدود کے مسائل سے استہزا کیا جاتا ہے لوگ آرام سے بیٹھے پروگرام دیکھ رہے ہوتے ہیں ان کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ یہ میڈیا پر کیا ہو رہا ہے۔ گانوں میں اللہ عزوجل کی ذات پر سرعام اعتراض کیا جاتا ہے، محبوب کو معاذ اللہ خدا بنا دیا جاتا ہے، فرشتوں، جنت و دوزخ، حوروں کا مذاق اڑایا جاتا ہے لیکن مسلمانوں کی غیرت ایمانی لمبی تان کر سوئی ہوئی ہے بلکہ اب تو سو کر مرنے کے قریب ہے۔

المختصر مذہب کے بغیر ہر شخص کرپشن میں مبتلا ہو جائے گا یہاں تک کہ ایک ریڑھی والے کے دل میں بھی جب خوف خدا نکل جاتا ہے تو وہ بس اس کوشش میں ہوتا ہے کہ میرا گلا سڑا مال کسی طرح دھوکہ دہی سے بک جائے۔ آج جس طرح معاشرے میں ملاوٹ، بے حیائی، رشوت، سود اور دیگر حرام کام عام ہیں حالانکہ چند فیصد ہی لبرل ازم و دہریت پھیلی ہے اور مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد خدا کا خوف کرتے ہوئے گناہوں سے ڈرتی اور باز رہتی ہے، جب یہ خوف بلکہ خدا ہی پر ایمان ختم ہو تا جائے گا تو پھر کس کدھر اندھیر نگری مچے گی، اس کا اندازہ آپ احباب بخوبی کر سکتے ہیں۔

غیر مسلموں اور مسلمانوں کی موجوہ اخلاقیات کا جائزہ:

الحاد کے اخلاقی اثرات بڑے واضح طور پر تیسری دنیا میں تو دیکھے جاسکتے ہیں لیکن دنیا کے ترقی یافتہ حصے میں یہ اثرات اتنے نمایاں نہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ الحاد کی تحریک کو سب سے پہلے فروغ مغرب میں حاصل ہوا لیکن وہاں کے لوگوں کا اخلاقی معیار تیسری دنیا سے نسبتا بہتر ہے۔ لیکن

مذہبی احساسات مغربیت میں کئی سالوں پہلے کے فوت ہو چکے ہیں، اب یورپین ممالک میں یہ حال ہے کہ خدا سمیت کسی بھی بزرگ ہستی جیسا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے خلاف بھی کوئی آزادی رائے کا حق رکھتے ہوئے جو مرضی کہہ دے عیسائی پادری اس کے آگے بے بس ہوتے ہیں۔ یہی نظام رفتہ رفتہ مسلم ممالک میں لانے کی کوشش کی جارہی ہے اور یہ نظام لانے کے لیے دہریوں کے پاس سب سے بڑا ہتھیار میڈیا اور امیر طبقہ ہے۔ کوئی بھی فلسفہ یا نظام حیات سب سے پہلے معاشرے کے ذہین ترین لوگ تشکیل دیتے ہیں اور پھر اسے اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے معاشرے کے ذہین طبقے میں پھیلاتے ہیں جسے عرف عام میں اشرافیہ (Elite) کہتے ہیں۔ یہی طبقہ معاشرے میں تعلیم و ابلاغ کے تمام ذرائع پر قابض ہوتا ہے۔ اس فلسفے یا نظام حیات کو قبول کرنے کے بعد یہ اسے عوام الناس تک پہنچاتا ہے۔ عوام ہر معاملے میں اسی اشرافیہ کے تابع ہوتے ہیں، اسلئے وہ اسے دل و جان سے قبول کر لیتے ہیں۔ اہل مغرب میں الحادی نظریات کے فروغ میں جن ذہین افراد نے حصہ لیا وہ اخلاقی اعتبار سے کوئی گرے پڑے لوگ نہ تھے، انہوں نے خود کو انسانی اخلاق کے علمبردار کی حیثیت سے پیش کیا۔ جدید دور میں الحاد کی تحریک نے اپنا نام انسانی تحریک (Humanist) رکھ لیا ہے اور وہ خود کو اخلاقیات کا چیمپیئن سمجھتے ہیں۔ چنانچہ کونسل فار سیکولر ہیومن ازم کے بانی پال کرٹز اپنی حالیہ تحریر میں لکھتا ہے: "ہمیں تیسری طرف جو جنگ لڑنا ہے وہ انسانی اخلاقیات کی جنگ ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اخلاقی انقلاب ہی انسانیت کے مستقبل کی ضمانت دیتا ہے۔ یہی آخرت کی نجات یا جنت کے عقیدے کے بغیر انسانی زندگی کو بہتر بناتا ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اخلاقی اقدار کو مشاہدے اور دلائل کی بنیاد پر پرکھیں اور نتائج کی روشنی میں اپنی اخلاقی اقدار میں تبدیلی کرنے پر تیار رہیں۔ ہمارا طریقہ عالمی (پلینیٹری) ہے جیسا کہ Humanist Manifesto 2000 میں زور دیا گیا ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس سیارے زمین پر ہر انسان بالکل برابر حیثیت رکھتا ہے۔ اخلاق کے ساتھ ہماری وابستگی یہ ہے کہ عالمی برادری میں ہر فرد کو اس کے حقوق ملیں اور ہم اپنے مشترکہ گھر یعنی اس زمین کی حفاظت کریں۔ انسانی اخلاقیات فرد کی آزادی، پرائیویسی کے حق، انسانی آزادی اور سماجی انصاف کی ضمانت دیتے ہیں۔ اس کا تعلق پوری نسل انسانیت کی فلاح و بہبود سے ہے۔"

ان فلسفیوں نے انسانی حقوق اور انسانی اخلاق کو اپنے فلسفے میں بہت اہمیت دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان ممالک کے عوام میں اخلاقی شعور نسبتاً بہت بہتر ہے۔ وہ لوگ بالعموم جھوٹ کم بولتے ہیں، اپنے کاروبار میں بد دیانتی سے اجتناب کرتے ہیں، ایک دوسرے کا استحصال کم کرتے ہیں، فرد کی آزادی کا احترام کرتے ہیں، جانوروں کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں، یتیموں اور اپاہجوں کے لئے ان کے ہاں منظم ادارے ہیں، قانون کا احترام کرتے ہیں، ان کی سوچ عموماً معقولیت (Rationality) پر مبنی ہوتی ہے، وہ عقل و دانش کی بنیاد پر اپنے نظریات کو تبدیل کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں، ایک دوسرے کا احترام کیا جاتا ہے، محض اختلاف رائے کی بنیاد پر کوئی کسی کو گولی نہیں مارتا، علم و دانش کا دور دورہ ہے، اشیاء خالص ملتی ہیں اور ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھانے والے ادارے بہت موثر ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ اخلاقی لحاظ سے یہ بہت ترقی کر چکے ہیں، بلکہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان لوگوں میں بہت سی اخلاقی خرابیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ لوگ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے، ان کی خدمت نہیں کرتے، جنسی بے راہ روی ان کے ہاں عام ہے، ان کی اکثریت طرح طرح کے نشے میں سکون تلاش کرتی نظر آتی ہے، ان میں تشدد کا رجحان بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ نیشنلزم کا جذبہ بہت طاقتور ہونے کی وجہ سے یہ اپنی قوم کے افراد کے لئے تو ابریشم کی طرح نرم ہیں اور ہر اخلاقی اصول کی پیروی کرتے ہیں لیکن جب معاملہ کسی دوسری قوم کے ساتھ ہو تو وہاں انسانی حقوق کے تمام سبق یہ بھول جاتے ہیں۔ جب یہ الحادی نظریات اہل مغرب سے نکل کر مشرقی قوموں میں آئے تو اشرافیہ کے جس طبقے نے انہیں قبول کیا، بدقسمتی سے وہ اخلاقی اعتبار سے نہایت پست تھا۔ جب یہ طبقہ اور اس کے زیر اثر عوام الناس عملی اعتبار سے الحاد کی طرف مائل ہوئے تو انہوں نے تمام اخلاقی حدود کو پھلانگ کر وحشت اور درندگی کی بدترین داستانیں رقم کیں۔ دور جدید میں اس کا اندازہ محض روزانہ اخبار پڑھنے ہی سے ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مغربی ملحدین میں جو خرابیاں پائی جاتی ہیں، وہ تو مسلمانوں نے پوری طرح اختیار کر لیں لیکن ان کی خوبیوں کا عشر عشیر بھی ان کے حصے میں نہ آیا۔ ہمارے مسلم ممالک کے سیکولر و بے دین اینکرز، سیاستدان، بڑے اداروں کے افسران یورپی ممالک کی تعریفیں تو بہت کرتے ہیں لیکن قرآن و

JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1, 2024

حدیث کی طرح انگریزوں کے ان اصولوں کو فالو نہیں کرتے جو ملک و معاشرے کی ترقی کا اہم سبب ہیں بلکہ یہ لوگ خوب کرپشن کر کے ملک کا بیڑہ غرق کرتے اور بے دینی وبے حیائی عام کرتے ہیں اور میڈیا پر بیٹھ کر ملک کی ترقی نہ ہونے کا سارا الزام مولویوں پر ڈال دیتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ملک ترقی نہیں کر رہا۔ خائن شخص کو امین ثابت کرنا اور نیک و ایماندار کو کرپٹ ثابت کرنا ان لوگوں کے آگے معمولی کام ہے۔ الحاد کے معاشرتی اثرات میں ایک بڑا واضح اثر خاندانی نظام کا خاتمہ اور فری سیکس کا فروغ ہیں۔ جنسی زندگی سے متعلق آداب انسان کو انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام ہی نے بتائے ہیں اور اس ضمن میں ہر قسم کی بے راہ روی کا خاتمہ کیا ہے۔ جب ایک شخص انہی کا انکار کر دے تو پھر اس کی راہ میں ایسی کونسی رکاوٹ ہے جو اسے دنیا کی کسی بھی عورت سے آزادانہ صنفی تعلقات سے روک سکے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ پھر ماں، بہن اور بیٹی کا تقدس پامال کرنے میں بھی کیا حرج رہ جاتا ہے؟ اس کے بعد اگر نئی نئی لذتوں کی تلاش میں مرد مردوں کے پاس اور عورتیں عورتوں کے پاس جائیں تو اس میں کیا قباحت رہ جاتی ہے؟ الحاد کا یہ وہ اثر ہے جسے مغربی معاشروں میں پوری طرح فروغ حاصل ہوا۔ دور غلامی میں خوش قسمتی سے مسلم دنیا الحاد کے ان اثرات سے بڑی حد تک محفوظ رہی لیکن بیسویں صدی کے ربع آخر میں میڈیا کے فروغ سے اب یہ اثرات بھی ہمارے معاشروں میں تیزی سے سرایت کر رہے ہیں۔ جہاں جہاں یہ فری سیکس پھیل رہا ہے وہاں وہاں اس کے نتیجے میں ایک طرف تو ایڈز سمیت بہت سی بیماریاں پھیل رہی ہیں اور دوسری طرف خاندانی نظام کا خاتمہ بھی ہو رہا ہے جس کے نتیجے میں کوئی نہ تو بچوں کی پرورش کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار ہے اور نہ ہی بوڑھوں کی خبر گیری کرنے کو۔ کڈز ہومز میں پلنے والے یہ بچے جب بڑے ہوتے ہیں تو اس بے راہ روی کا شکار ہو کر یہ ذمہ داریاں قبول نہیں کرتے اور مکافات عمل کے نتیجے میں یہ جب بوڑھے ہوتے ہیں تو پھر ان کی خبر گیری کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔ اچھے اولڈ ہومز میں داخلہ بھی اسی کو ملتا ہے جس کی اولاد کچھ فرمانبردار ہو اور اس اولڈ ہوم کا خرچ اٹھا سکے۔ ان کی زندگی اب کڈز ہوم سے شروع ہو کر اولڈ ہوم پر ختم ہو جاتی ہے۔

الحاد اور دنیا پرستی:

معاشرتی اور معاشی اعتبار سے الحاد نے مسلم معاشروں کو جس اعتبار سے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ دنیا پرستی کا فروغ ہے۔ دنیا پرستی کا فلسفہ مغربی اور مسلم دونوں علاقوں میں پوری آب و تاب کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ جب انسان عملی اعتبار سے آخرت کی زندگی کا انکار کر دے یعنی اس کے تقاضوں کو مکمل طور پر فراموش کر دے تو پھر دنیاوی زندگی اس کی سرگرمیوں کا مقصد بن جاتی ہے۔ مغربی معاشروں پر تو کسی تبصرے کی ضرورت نہیں لیکن ہمارے اپنے معاشروں میں جس طرح دنیا پرستی کی بھیڑ چال شروع ہو چکی ہے، وہ ہماری پستی کی انتہا ہے۔

ایک طرف تو ایسے لوگ ہیں جن کی اخلاقی تربیت بہت ناقص ہے اور وہ ہر طرح کے جرائم میں مبتلا ہیں لیکن ان کے برعکس ایسے لوگ جن کی اخلاقی قدریں کافی حد تک قائم ہیں، دنیا پرستی کے مرض میں کس حد تک مبتلا ہو چکے ہیں، اس کا اندازہ صرف ان کی چوبیس گھنٹے کی مصروفیات سے لگایا جا سکتا ہے۔ ہمارے عام تعلیم یافتہ لوگ جن کی اخلاقی سطح معاشرے کے عام افراد سے بلند ہے، روزانہ صبح اٹھتے ہیں اور اپنے کاروبار یا دفاتر کی طرف چلے جاتے ہیں۔ ان میں سے بہت کم ایسے ہوں گے جو دفتری اوقات کے فوراً بعد واپس آ جاتے ہوں۔ زیادہ سے زیادہ ترقی کے لئے لیٹ سٹنگز کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے اور عام طور پر لوگ آٹھ نو بجے تک دفتر سے اٹھتے ہیں۔ اس کے بعد گھر واپس آ کر کھانا کھانے، ٹی وی دیکھنے اور اہل خانہ سے کچھ گفتگو کرنے میں گیارہ بارہ بڑے آرام سے بج جاتے ہیں۔ سوتے سوتے ایک یا دو بج جاتے ہیں۔ بالعموم صبح کی نماز چھوڑ کر لوگ سات بجے تک بیدار ہوتے ہیں اور پھر دفتر کی تیاری میں لگ جاتے ہیں۔ چھٹی کا دن عموماً ہفتے بھر کی نیند پوری کرنے اور گھریلو مسائل میں نکل جاتا ہے۔ اب آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ ہم اللہ کو راضی کرنے، دین سیکھنے، اپنی اخلاقی حالت بلند کرنے اور دین کے تقاضے پورے کرنے کے لئے کتنا وقت نکال سکتے ہیں؟ افسوس ہے کہ اس ترقی کو حاصل کرنے کے لئے جو زیادہ سے زیادہ ہیں پچیس سال تک کام دے گی، ہم لامحدود سالوں پر محیط آخرت کی زندگی کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ کوئی اپنے کاروبار میں بیس روپے منافع کمانے کی دھن اربوں روپے کے سرمائے کا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1, 2024

نقصان کرلے یاپھر دریا کی تہ میں پڑے ہوئے ایک روپے کے سکے کو حاصل کرنے کے لئے لاکھوں روپے کی دولت پھینک کر دریا میں چھلانگ لگا دے۔[1]

اسلام اور دھریت کا تقابلی جائزہ

مذہب اسلام خود ساختہ دین نہیں

اسلام میں دہریت کی علمی حوالے سے کوئی راہ نہیں ہے کیونکہ اسلام ایک خود ساختہ دین نہیں جس کارڈ سائنس یا فلسفے سے ہو جائے۔ یہ دین اس ذات باری تعالیٰ کی طرف سے ہے جس نے انسان کو عقل و علم عطا فرمایا ہے، عقل و علم کو بارہا یہ احساس دلایا کہ وہ مخلوق ہے اور ان کے سامنے تخلیق کے اعلیٰ شاہ کار کو رکھ کر یہ منوایا کہ کوئی خالق ہے جس نے انسانی جسم کے اندر اور جسم کے باہر کائنات کو بسایا ہے۔ لہذا مخلوق کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنے علم کو حرف آخر سمجھتے ہوئے خالق کا انکار کر دے۔ سائنس دانوں اور فلسفیوں نے کئی مرتبہ کوشش کی کہ وہ عیسائیت کی طرح دین اسلام کو بھی اپنے علم و تحقیق کے ذریعے غلط ثابت کر دیں لیکن ہر مرتبہ ان کو یہ اعتراف کرنا پڑا اسلام کی حقانیت ہر جگہ ثابت ہے۔ اس اعتراف کئی سائنسدانوں نے زبان سے ادا کر کے کلمہ پڑھ لیا اور کئی اسلام کی تعریف کی حد تک محدود رہے اور دہریے سب کچھ جاننے کے باوجود گونگے بہرے ہو گئے۔

لبرازم، سیکولرازم، دہریت میں سوائے بربادی کے کچھ نہیں۔ یہ ان لوگوں کی ایجاد ہے جنھوں نے اپنی زندگی کے چند مزوں کی خاطر لوگوں کو جہنم کے ابدی عذاب کا حقدار بنادیا ہے۔ فلاح و کامرانی اگر ہے تو فقط اسلام میں ہے۔ اسلام ایک مکمل دین ہے جس میں دین ہو یا دنیا ہر شعبہ میں ایسی راہنمائی ہے جو کسی فرد کی ایجاد نہیں بلکہ اللہ وحدہ لاشریک کے نافذ کردہ احکام ہے جس پر عمل پیرا ہونے میں بنی انسان کی ترقی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جو بھی قانون اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی تعلیمات کے منافی ہے لوگوں نے اس قانون سے سوائے خسارے کے کچھ نہیں پایا۔ قوانین اسلام پر عمل پیرا ہو کر مسلم حکمرانوں نے مدینہ شہر سے نکلے ہوئے ایک دین کو دنیا کے گوشے گوشے میں عام کر دیا اور ترقی کے وہ زینے طے کیے کہ آج بھی لوگ اس تاریخ کو پڑھ کر حیران ہو جاتے ہیں۔

جوں جوں نااہل حکمرانوں مغربیت کے دلدادہ مشہور شخصیات نے اسلام کے احکام کو پس پشت ڈالا اور مغربی تہذیب کو ترقی کا معیار سمجھ لیا تب سے ہم دن بدن پستی میں چلے جارہے ہیں اور بے شرمی کی انتہا یہ ہے کہ اس معاشرے کو پستی کی طرف لے جانے والے یہ خود بے دین لیڈرز، اینکرز، سوشل ورکرز لوگ ہیں لیکن الٹا الزام مولویوں پر ڈال کر لوگوں کو مزید دین سے دور کر رہے ہیں۔

اب تو ایسا لگتا ہے کہ حکمرانوں اور میڈیا نے یہ ٹھان لی ہے کہ مذہب اور مذہبی شخصیات کو ایک کونے میں لگا کر سیاست اور معاشرے کو مذہب سے آزاد کرنا ہے۔ سیاسی امور میں مذہب کو ریاست سے الگ کرنے کو سیکولرازم کہتے ہیں، سیکولر ریاست میں ایک فرد ریاستی قوانین کے سوا کسی دوسری چیز کا پابند نہیں ہوتا۔ وہ نجی زندگی میں بالکل آزاد ہوتا ہے، لیکن استعمار اور سرمایہ دارانہ نظام کے اس دور میں بہت سی اصطلاحات اور الفاظ کو ان کے حقیقی معنوں سے عاری کر کے اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔ لیکن اسلام اس آزادی کا قائل نہیں جس میں انسان کی اخلاقیات اور معاشرتی امن کی بربادی ہو جائے۔ اسلام دہریوں کی طرح چار دن کی زندگی کو انجوائے کرنے کا ذہن نہیں دیتا بلکہ اس مختصر سی زندگی میں اپنی اور معاشرے کی اصلاح کا درس دیتا ہے۔

---

[1]. ابو احمد مفتی محمد انس رضا قادری، دہریت کا تعارف و تاریخ، ص ۱۰ تا ۴۷، الناشر: الرضا قرآن و فقہ اکیڈمی

Abu Ahmed mufti Muhammad anas raza qadri, Dareyat ka taaruf o tareekh, p 10 to 47 , Al nasher: Al raza Qur'an o Fiqha academy.

آج الحاد و سیکولرزم جو آزادی زندگی کے نام پر افکار تیزی کے ساتھ مسلم ممالک میں پھیل رہے ہیں یہ وہ افکار ہیں جنہوں نے پورے یورپ کو دینی، معاشرتی اور اخلاقی اعتبار سے تباہ کر دیا ہے۔ یورپ خود اس قسم کی آزادی سے تنگ ہے لیکن کل جدید لذیذ (ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے) کے تحت ہمارے بعض پڑھے لکھے تاریخ سے جاہل لوگ یورپین تہذیب کو پسند کرتے ہیں اور اس کے فروغ میں کوشاں ہیں لیکن جب یہ بڑھاپے میں جائیں گے اور ان کی اولاد ان کو اولڈ ہاوس میں پھینکے گی، جب یہ بیمار پڑے ہوں گی اور ان کو پانی پلانے والی اولاد جب کسی گوشے میں شراب کے نشے سے چور ہو گی اور ان کی اپنی اولاد ان کے مرنے کی تمنا کرے گی تا کہ ہمیں جائیداد ملے اس وقت ان کو اسلامی قدروں کا احساس ہو گا لیکن اس وقت انہوں نے نہ صرف اپنی ذات اور اولاد کا بیڑہ غرق کر دیا ہو گا بلکہ کثیر عوام ان کی چرب زبانی سے متاثر ہو کر اپنا ستیاناس کر چکی ہو گی۔

اسلام ایک پاکیزہ دین ہے

اسلام ہمیں اسلامی انداز میں ایک پاکیزہ زندگی گزارنے کا درس دیتا ہے اور ہم پر یہ عیاں کرتا ہے کہ جن ہستیوں نے اسلام کے بتائے اصولوں کے مطابق زندگی گزاری آج دنیا ان اولیائے کرام کی عظمت کے گیت گاتی ہے۔ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو چھوڑ کر سیکولرازو دہریت کو عام کرنے میں ناکامی کے سوا کچھ نہیں۔ لہذا سیکولرزم سے متاثر ہو کر جس طرح اپنے کردار و عمل کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنانے کو"بنیاد پرستی" ٹھہرایا جاتا ہے، نبوی اسوہ حسنہ کو اپنی زندگی کے لئے معیار بنانے کو دقیانوسی اور رجعت پسندی قرار دیا جاتا ہے، غاصب اور قابض قوتوں کے خلاف جدوجہد کو دہشت گردی اور شدت پسندی سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ وقت دور نہیں جب مسلمان دین سے اس قدر دور ہو جائیں گے کہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلوانا فضول کام سمجھیں گے پھر جب زندگی کے کسی موڑ پر چاہیں گے کہ کوئی ہمیں صحیح اسلامی حکم بیان کر دے لیکن کوئی ملے گا نہیں اور اس حدیث پاک کی تصدیق ہو گی جس کی پیشین گوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چودہ سو سال قبل کی تھی چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

> تعلموا العلم وعلموه الناس تعلموا الفرائض وعلموها الناس تعلموا القرآن وعلموه الناس فإني امرؤ مقبوض والعلم سيقبض وتظهر الفتن حتى يختلف اثنان في فريضة لا يجدان أحدا يفصل بينهما[1]
>
> قرآن سیکھو اور لوگوں کو اسکی تعلیم دو، فرائض کا علم سیکھو اور لوگوں کو اسکی تعلیم دو۔ مجھے شک ہوتا ہے کہ لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ دو آدمی فرائض میں جھگڑا کریں گے اور ان کو کوئی ایسا نہ ملے گا جو ان میں (قرآن و سنت کی روشنی میں) فیصلہ کروادے۔

آج جس طرح امام مسجد کو اپنا غلام سمجھ لیا گیا ہے اور اس مہنگائی کے دور میں اس بیچارے کو چار پانچ ہزار روپے تنخواہ دے کر گویا لوگوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اپنے بچوں کو مولوی نہ بنانا کیونکہ اس شعبہ میں بچوں کا کوئی مستقبل نہیں اگر چہ لاکھوں روپے لگا کر MBA, C.A کروا کر سودی حساب کتاب والی نوکری کروا دینا۔ اگر یہی حال رہا تو اب تو پھر بھی کوئی نہ کوئی تھوڑا بہت قرآن پڑھا ہوا مولوی مل جاتا ہے عنقریب ایسا ہو گا کہ اس طرح کا بھی نہیں ملے گا۔ پھر یہی لوگ جو آج مولویوں پر پھبتیاں کستے ہیں انہی کی اولاد نسلیں آپس میں باتیں کیا کریں گے کہ میرے دادا جان ایک حافظ قرآن کے پیچھے نماز باجماعت پڑھتے تھے اور ان کا جنازہ بھی ایک داڑھی والے مولوی نے پڑھایا تھا۔

---

1. محمد بن عبد الله الخطيب التبريزي، مشكاة المصابيح، ج١، ص٩١، الناشر: المكتب الإسلامي- بيروت

Muhammad bin abd ullah al khateeb al tabrezi, Mishkat al Shareef, vol 1, p 91, Al nasher: Al maktab al islami, Beroot.

دہریوں کی دوغلا پالیسی

آج الحادی سوچ میڈیا کے ذریعے ہمارے تک جس طرح پہنچ رہی ہے کہ اپنی زندگی جس طرح مرضی گزارو، ہر کسی کو جیسی مرضی بات کرنے کا حق ہے لیکن جب کوئی مولوی دین کی بات کرتا ہے تو اس وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس کو بھی اپنی بات کرنے کی آزادی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ ایک سیکولر دین کے خلاف بولے تو آزادی اور ایک دیندار اس کے مقابل میں اللہ کا فرمان پیش کرے تو وہ شدت پسند!! آخر مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان امتیازات کیوں روا رکھے جاتے ہیں؟ مسلمانوں کو مذہبی امتیازات کا نشانہ کیوں بنایا جاتا ہے؟ اگر عیسائیت پر یقین رکھنے والا فرد گردن میں صلیب لٹکاتا ہے تو اس پر کوئی طعن نہیں، اس کے برعکس اگر اسلام کی پیروی کرنے والوں میں سے کوئی اسلامی شعائر کو اپناتا ہے تو کوئی دلیل یا ثبوت تو کجا! قرائن کے بغیر ہی اس کے خلاف الزامات کا طومار باندھ دیا جاتا ہے۔ مغربی ریاستوں کے اندر جو اپنے آپ کو سیکولرازم کا علمبردار سمجھتی ہیں کسی بھی مذہب کا پیروکار اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل کر سکتا ہے، لیکن کسی مسلمان خاتون نے اگر سر پر سکارف اوڑھ لیا تو ریاستی مشینریوں اور ذرائع ابلاغ میں ایک طرح کا بھونچال آجاتا ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ اس طرح کے امتیازی سلوک برتنے کے باوجود دوغلا پن کہیے یا سوچی سمجھی پالیسی کہ سیکولرازم کی حامل ریاستوں کی لغت میں انتہا پسندی اور اسلام دونوں مترادف الفاظ سمجھے جاتے ہیں۔ تنگ نظری اور اسلامی فکر وعقائد یکساں باور کئے جاتے ہیں۔ انہیں دہشت گرد کا لفظ سنتے ہی دماغی سکرین پر مسلمان کا تصور جھلملانے لگتا ہے۔ حالانکہ امر واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان خیالات کا حقیقت کے ساتھ سرے سے تعلق ہی نہیں۔

لیکن دہریوں کے پاس دین اسلام کے خلاف کوئی علمی دلیل نہیں سوائے زبردستی وجھوٹ کے جس کے ذریعے ایک مسلمان کو اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کو دقیہ نوسی سمجھا جاتا ہے۔ پڑھے لکھے، امیر طبقہ کے بعض لوگ مولویوں کو جاہل وحقیر سمجھتے ہیں اور ان سے تعلق رکھنے کو اپنی شان میں توہین جانتے ہیں۔ اب تو دین پر چلنا مسلمانوں کے لیے ایسا بنا دیا گیا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ کوئلہ ہاتھ میں لینا دین پر چلنے سے آسان ہو گا چنانچہ مجمع الزوائد کی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

" يصبح الرجل مؤمنا ويمسي كافرا يبيع قوم دينهم بعرض من الدنيا قليل المتمسك بدينه كالقابض على الجمر[1]

ترجمہ: صبح کو آدمی مومن ہو گا اور شام کو کافر ہو گا، دنیا کے بدلے دین کو بیچے گا۔ کم لوگ دین کو اس طرح تھامے ہوں گے جیسے کوئلہ ہاتھ میں تھامے ہوتے ہیں۔

الحاد اور سیکس

دہریت اور سیکولرزم میں سب سے بڑی کشش سیکس ہے جس کی اسلام سختی سے مذمت کرتا ہے کیونکہ بے حیائی کئی اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کا مجموعہ ہے۔ لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ میڈیا نے چند سالوں میں بے حیائی کو اتنا فروغ دیا ہے کہ آج سے پندرہ میں سال پرانے دور اور موجودہ دور میں زمین آسمان کا فرق آگیا ہے۔ اب تو رمضان اور علاوہ رمضان کے دین کے نام پر جو پروگرام ہوتے ہیں ان میں دین کم اور بے حیائی زیادہ ہوتی ہے۔ کوئی اشتہار ایسا نہیں جس میں بے پردہ عورت نہ ہو، فلمیں ڈراموں میں عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھنے کی اس طرح ترغیب دی جاتی ہے

---

1. أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان، غاية المقصد في زوائد المسند، ج ۴، ص ۲۲۸، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان

Abul Hasan Noor ud din Ali bin abi bakar bin sulaiman, Ghaya tul Maqsad fi zawaid al musnad, vol 4, p 228, al nasher: Dar al kotub al ilmia, beroot.

کہ جیسے اس میں کوئی حرج نہیں۔ پھر رہی سہی کسر میڈیا پر آنے والے ان سیاستدانوں اور این جی اوز کے سربراہان نے پوری کر دی کہ زنا بالرضا کو قانونا جائز کرنے پر زور دیا جارہا ہے۔ یہی سلسلہ چلتا رہا تو وہ دن دور نہیں کہ اسلامی ممالک میں بھی سرعام زنا ہو گا اور کوئی اسے برا نہ سمجھے گا اور نہ روکنے کی قدرت رکھتا ہو گا۔ اُس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی تصدیق ہو گی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہ ہو گی یہاں تک کہ

" المرأة نها را جهارا تنكح وسط الطريق لا ينكر ذلك أحد ولا يغيره فيكون أمثلهم يومئذ الذي يقول : لو نحيتها عن الطريق قليلا فذاك فيهم مثل أبي بكر و عمر فيكم[1]

ترجمہ: عورت دن دھاڑے سرعام سڑک کے درمیان زنا کروائے گی کوئی ایسا نہ ہو گا جو اسے منع کرے، جو صرف راستے سے تھوڑا ہٹنے کو کہے گا وہ ان میں ایسا (نیک) ہو گا جیسے (صحابہ میں) ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما ہیں۔

ہم جنسی بھی کوئی ایسی شے نہیں جس کے بارے میں کوئی پیشین گوئی نہ کی گئی ہو بلکہ آج یورپ میں جس کے جائز ہونے کے قوانین بن گئے ہیں اور اسلامی ممالک میں اس کی کوششیں جاری ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے اس کی پیشین گوئی فرمادی تھی چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی:

" قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يكون في آخر الزمان رجال لهم أرحام منكوسة ، ينكحون كما تنكح النساء ، فاقتلوا الفاعل والمفعول به "[2]

ترجمہ: رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آخری زمانہ میں مردوں کے لئے ہیجڑے ہوں گے وہ ان سے نکاح کریں گے جیسے عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے پس جس نے نکاح کیا اور جس سے نکاح ہو دونوں کو قتل کر دو۔

سیاست کو دین سے الگ کرنا

سیکولر لوگوں کی دین کے خلاف ایک بڑی کوشش شروع سے یہ رہی ہے کہ دین کو سیاست سے الگ کر دیا جائے۔ لہذا پاکستانی قوم کو سیکولر اور مذہبی حصوں میں تقسیم کرنے کی جدوجہد کی جارہی ہے۔ قوم کو سبز باغ دکھا کر یہ بات بڑے تواتر کے ساتھ دہرائی جارہی ہے کہ جب تک مذہب کو سیاست سے الگ کر کے "چنگیزیت نافذ نہیں کی جاتی، اس وقت تک ترقی ناممکن ہے۔ بدقسمتی سے مغربی تقلید پر کمربستہ ہمارے بعض دانشور حضرات ہر اس چیز کو من وعن لینا چاہتے ہیں جسے مغرب نے کسی بھی مرحلہ پر اختیار کیا ہو۔ پھر حیرت کی بات یہ ہے کہ ہم ان خوبیوں کو حاصل کرنے پر اتنا زور نہیں دیتے جن کے ذریعے مغرب نے ترقی کی بلکہ ہماری توجہ ان برائیوں اور معاشرتی کمزوریوں پر مرکوز ہوتی ہے جن کی وجہ سے مغربی معاشرہ روبہ زوال ہے، جس کا وہ بارہا خود بھی اعتراف کر چکے ہیں۔ کیا ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اپنی سوچ اور معاشرتی اقدار کو ان کی غلامی سے آزاد کریں؟ جہاں تک وطن عزیز میں ترقی کی راہ میں مذہب کا حائل ہونا ہے تو مذکورہ بالا فکر کے حامل حضرات کوئی ایک بھی ایسی مثال

---

1. أبو عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم النيسابوري، المستدرك على الصحيحين، ج ۴، ص ۵۴۱، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت

Abu abd ullah bin abd ullah al hakim al nesabor, al mustadrak al assaheehen., vol 4, p 541, Al nasher: Dar al kotub al ilmia.

2. محمد ناصر الدين الألباني، إرواء الغليل، ج ۸، ص ۱۸، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت

Muhammad Nasir ud din albani, Irwa ul ghlil, vol 8, p 18, Al masher: Al maktab al islami, beroot.

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1, 2024

نہیں دے سکتے کہ جس میں حکومت نے عوامی بہبود و فلاح کے لئے کوئی منصوبہ شروع کیا ہو اور اسے مذہبی حلقوں نے اس بنا پر رد کیا ہو کہ یہ اسلام کے خلاف ہے یا اسلامی احکام اس کی راہ میں حائل ہیں۔

اسلام اور عیسائیت میں فرق

دراصل یہ غلط فہمی کہ "ہمارے ہاں مذہب ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے" اس پس منظر کو نظر انداز کرنے سے ہوئی ہے جس پس منظر میں مغربی سیکولر انقلاب پروان چڑھا تھا جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے کہ پادریوں کے ظلم اور عیسائی مذہب کے غلط عقائد و نظریات سے تنگ آکر دہریت کو فروغ ملا۔ جبکہ قرون وسطی (Medieval) کے جابر چرچ کی اسلام جیسے عادلانہ اور رحمدل مذہب سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ اسلام اور اس وقت کے چرچ کا موازنہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ حالانکہ چرچ کے مظالم کے خلاف سب سے پہلے آواز اٹھانے والا اسلام ہی ہے چنانچہ حق تعالی ارشاد فرماتا ہے

﴿يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اليم [1]

اے ایمان والو! بیشک بہت سے پادری اور روحانی درویش باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ۔

لہذا جو مذہب یورپی قرون مظلمہ (ages dark) کی خود یورپی باشندوں سے بھی ایک ہزار سال پہلے مذمت کرے اسے انہیں قرون مظلمہ جیسا قرار دینا سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ اسلام تو ترقی اور خوشحالی کا پیامبر ہے جدید ٹیکنالوجی کی مخالفت تو دور کی بات ہے وہ تو اس کی ہمت افزائی کرتے ہوئے نوید سناتا ہے۔ الغرض کسی طور پر بھی یہ درست نہیں کہ ہمارے ہاں مذہب کو سیاست سے اسلئے دور رکھا جائے کہ وہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

سیکولر و بے دین حکومتوں کی تاریخ

کئی جاہل نام نہاد مسلمان سیاستدانوں کا یہ بیان آیا کہ اگر پاکستان سیکولر ہو جائے تو دنیا میں اس کا وقار بلند ہو سکتا ہے۔ یہ ایک سوال ہے کہ کیا واقعتا اگر ہم سیکولر ہو جائیں تو دنیا میں ہمارا وقار بلند ہو سکتا ہے؟ لیکن ہر دعویٰ اپنی شہادتیں طلب کرتا ہے۔ البتہ ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ مارشل ٹیٹو کے سابق یوگوسلاویہ میں رہنے والے بوسنیا وہرزیگووینا کے مسلمان سیکولر تھے اور اتنے سیکولر کہ انہوں نے اپنے مسلم ناموں تک کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کے جواب میں عالمی برادری نے انہیں کتنا وقار فراہم کیا؟ یوگوسلاویہ ٹوٹا تو بوسنیا ہرزیگوینا کی سیکولر مسلمانوں کے لیے آزادی کا امکان پیدا ہوا مگر امریکہ اور پورے یورپ نے کہا کہ ارے یہ مسلمان سیکولر تھوڑی ہیں یہ تو صرف مسلمان ہیں چنانچہ انہوں نے سربوں اور کروشیائی باشندوں کو مسلمانوں پر چھوڑ دیا اور انہوں نے ساڑھے تین سال کی جنگ میں دو سے ڈھائی لاکھ بوسنیائی مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ سربوں نے یہ کہہ کر مسلمانوں کو قتل کیا کہ تم نہیں تو کیا تمہارے آباؤاجداد تو مسلمان تھے۔ آپ کو معلوم ہے، بوسنیا میں ہونے والے اکثر حملوں کی سب سے بڑی اور تلخ حقیقت کیا تھی؟ یہ کہ ان میں سے اکثر حملے پڑوسیوں نے کیے۔ ان پڑوسیوں نے جو چالیس اور پچاس سال سے مسلمانوں کے پڑوسی تھے۔

[1]. سورۃ التوبۃ:۹، ۳۴

Surah al toba, 9: 34

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1, 2024

سوال یہ ہے کہ اس تجربے سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ کیا یہ کہ سیکولرزم نے مسلمانوں کا وقار عالمی برادری میں بہت بلند کر دیا۔ یہ تو ایک قوم کی مثال ہوئی۔ دوسری مثال ایک راہنما یعنی یاسر عرفات کی ہے۔ یاسر عرفات بنیاد پرست نہیں تھے۔ وہ اپنی نہاد میں ایک قوم پرست اور سیکولر راہنما تھے مگر مغرب ان کو دہشت گرد کہتا تھا۔ اسرائیل ان کے خون کا پیاسا تھا۔ یاسر عرفات بالآخر مغرب اور اسرائیل کے ایجنڈے کے تحت وضع کیے گئے امن سمجھوتے پر بھی آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے اس سمجھوتے پر دستخط بھی کر دیے مگر اسرائیل نے اس سیکولر راہنما کے ساتھ طے پانے والے سمجھوتے کی ایک شق پر بھی عمل درآمد کر کے نہ دیا۔ اسرائیل نے یاسر عرفات کو بالآخران کے دفتر میں محصور کر دیا اور تقریباً تین سال تک محصور رکھا۔ یاسر عرفات اس دفتر سے نکل کر فرانس پہنچے تو چند ہی روز میں ان کا نہایت پر اسرار حالات میں انتقال ہو گیا۔ سوال یہ ہے کہ یاسر عرفات کا سیکولرازم ان کے اور خود ان کی قوم کے کتنا کام آیا؟

تیسری مثال ترکی کی ہے۔ پاکستان تو اسلامی جمہوریہ ہے مگر ترکی تو آئینی اعتبار سے سیکولر ہے اور دو چار سال سے نہیں 80 سال سے سیکولر ہے مگر اس کے باوجود ترکی چالیس برس سے یورپی اتحاد کے دروازے پر کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ مجھے اندر آنے دو اور ترکی سے کہا جا رہا ہے کہ تم تو مسلمان ہو۔ سوال یہ ہے کہ ترکی کے سیکولر حال اور سیکولر ماضی نے عالمی برادری میں ترکی کے وقار کو کتنا بلند کر دیا ہے اور ترکی کا سیکولرازم اس کے کتنے کام آرہا ہے؟ خود پاکستان کی تاریخ سیکولر سیاسی لیڈروں کی تاریخ ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان لیڈروں نے عالمی برادری میں پاکستان کے وقار کو کتنا بلند کیا ہے؟ اس کی کوئی ایک مثال، صرف ایک مثال؟ ستر سال کے سیکولرزم کو اتنا غریب تو نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ایک مثال بھی پیش نہ کر سکے۔ اور یہ صرف پاکستان کا معاملہ نہیں۔ مسلم دنیا گزشتہ ستر سال سے سیکولر دنیا ہی ہے۔ چنانچہ اس دنیا میں اگر غربت ہے تو اس کا ذمہ دار سیکولرازم اور اس کے علمبر دار ہیں۔ اس دنیا میں اگر ناخواندگی ہے تو اس کے ذمہ دار بھی بنیاد پرست نہیں ہیں۔ اس دنیا میں اگر بد عنوانی ہے تو یہ بد عنوانی بھی ملاؤں نے نہیں کی ہے۔ اس دنیا میں اگر لاقانونیت ہے تو اس کے ذمہ دار بھی مذہبی عناصر نہیں ہیں اس لیے کہ گزشتہ ستر برسوں میں کہیں بھی مذہبی عناصر اقتدار میں نہیں رہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو مسلمانوں کی ضرورت سیکولرازم نہیں مذہب ہے۔ سیکولرازم مسلم دنیا میں گندا انڈا ثابت ہو چکا۔ اس سے کچھ برآمد ہونا ہوتا تو اس کے لیے پچاس سال بہت تھے مگر ہم نے دیکھ لیا کہ اس سے کچھ برآمد نہیں ہوا چنانچہ اب سیکولرازم کی حمایت مسلمانوں اور ان کے معاشروں سے بدترین زیادتی ہے۔

دنیا کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ اس تاریخ میں جہاں کہیں کسی نے عزت و توقیر حاصل کی ہے، اپنی انفرادیت پر اصرار کر کے کی۔ ہم نے اپنی جداگانہ شناخت پر اصرار کیا تو پاکستان بنا اگر ہم متحدہ قومیت کے قائل کر کے رہتے تو پاکستان وجود میں نہیں آسکتا تھا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ کشش کا اصول مختلف ہوتا ہے یکساں نہیں۔ اول تو مسلمان سیکولر ہو ہی نہیں سکتے اور اگر ہو بھی جائیں تو صرف نقال بن کر رہ جانا ہی ان کا مقدر ہو گا۔ ظاہر ہے کہ ہماری تاریخ میں تو سیکولرازم کی کوئی مثال نہیں چنانچہ ہمیں یورپی تاریخ میں سیکولرازم کے سبب ہونے والی بربادی کو یاد رکھنا ہو گا۔[1]

اعتراض: چونکہ خدا نظر نہیں آتا اس لیے معلوم ہوا کہ اس کا وجود وہم ہی وہم ہے۔

---

1. ابو احمد مفتی محمد انس رضا قادری، دہریت کا تعارف و تاریخ، ص ٦٦ تا ٧٤، الناشر: الرضا قرآن وفقہ اکیڈمی

Abu Ahmed mufti Muhammad anas raza qadri, Dareyat ka taaruf o tareekh, p 66 to 74 , Al nasher: Al raza Qur'an o Fiqha academy.

جواب: دنیا میں ایسی کئی چیزیں ہیں جو نظر نہیں آتیں لیکن اس کے وجود کو دہریے بھی مانتے ہیں جیسے ہوا، بجلی، عقل وغیرہ۔ جس چیز پر ایمان و عقیدہ ہو اس کا ظاہری آنکھ سے دیکھنا ضروری نہیں ورنہ اندھوں کا کوئی ایمان وعقیدہ نہ ہوتا۔ اگر بالفرض خدا ظاہری آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہوتا لیکن ایک اندھا دہریہ کہتا کہ جب تک اپنی آنکھ سے نہیں دیکھوں گا اسے نہیں مانوں گا تو اس صورت میں اسے یہی کہا جاتا کہ تجھے خدا نظر نہ آنا تیری آنکھ کو قصور ہے، یونہی اللہ عزوجل کی قدرت کے کثیر نظائر کے باوجود اس کو تسلیم نہ کرنا دل کا اندھاپن ہے جس کا قصور وار یہ دہریے ہیں۔ خدا اگر آنکھوں سے نظر آجائے اور سب لوگ اُس جلال والی ہستی کا مشاہدہ کرلیں تو پھر دین کا کارخانہ ہی باطل ہو جائے اور ایمان بالغیب پر جو ثواب مقرر ہیں وہ ضائع ہو جائیں۔ آنکھوں سے وہی چیز نظر آتی ہے جو کسی خاص سمت پر واقع ہو اور محدود ہو یا دیکھنے والے کی آنکھ سے دور ہو۔ خدا تعالیٰ کی ہستی تو سمتوں سے پاک ہے۔ سمتیں مخلوق کی ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ مخلوق اپنے خالق کا احاطہ کرے علاوہ ازیں جب اس کو آنکھ نے دیکھا اور اس کا احاطہ کیا تو وہ محدود ثابت ہوا اور محدود ہونا نقص ہے اور خدا نقصوں سے پاک ہے۔ اللہ عزوجل قرآن پاک میں فرماتا ہے

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَ مَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ﴾

ترجمہ: آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ تمام آنکھوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہی ہر باریک چیز کو جاننے والا، بڑا خبردار ہے۔ بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آنکھیں کھولنے والی دلیلیں آگئیں تو جس نے (انہیں) دیکھ لیا تو اپنے فائدے کے لئے ہی (کیا) اور جو (دیکھنے سے) اندھا رہا تو یہ بھی اسی پر ہے۔[1]

اعتراض: اگر کوئی خدا ہوتا تو دنیا میں یہ تفرقہ نہ ہوتا۔ کوئی غریب ہے کوئی امیر، کوئی مریض اور کوئی تندرست۔

جواب: یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسا کہیں کہ پاکستان کا کوئی حاکم نہیں کیونکہ یہاں تفرقہ ہے، کوئی ڈپٹی کمشنر ہے کوئی گورنر۔ لوگوں کا برابر نہ ہونے اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ عزوجل کا وجود نہیں بلکہ یہی تو دلیل ہے کہ کوئی ذات ایسی ہے جو جسے چاہے رزق میں فراخی و کمی دیتی ہے اور جسے چاہے تندرستی و کمزوری۔ ورنہ دہریوں کے اصول کے مطابق جو شخص دولت کمانے کی کوشش کرتا اسے ضرور رزق ملتا، جو بادشاہ بننے کی کوشش کرتا تو بادشاہ بن جاتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعضوں کو باوجود کوشش کے کچھ نہیں ملتا وجہ یہی ہے کہ خالق کائنات جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نہیں دیتا اور اس نہ دینے میں بھی اس کی حکمتیں ہوتی ہیں۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿قُلِ اللهم مُلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ [2]

ترجمہ: یوں عرض کر اے اللہ ملک کے مالک تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

جس طرح ایک ہی ملک میں سب باشندوں کا بادشاہ بننا عقلا درست نہیں اور عملا بھی خرابی ہے کہ ملک کا نظام نہیں چل پائے گا، ہر کوئی حکم دینے والا ہو گا عمل کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔ یونہی اگر اللہ عزوجل سب کو ایک جیسے عہدے دیدے تو معاشرے کا نظام چل نہیں پائے گا۔

---

1. سورۃ الانعام، ۶:۱۰۳، ۱۰۴

Surah al anam, 6: 103, 104

2. سورۃ آل عمران، ۳:۲۶

Surah aal Imran, 3:26

اعتراض: رزق کا ذمہ اللہ عزوجل پر ہے تو دنیا میں لوگ بھوک کیوں مر رہے ہیں؟

جواب: بے شک مخلوق کا رزق اللہ عزوجل نے اپنے ذمہ لیا ہے اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ کوئی بھی مخلوق ایسی نہیں جس کو اللہ عزوجل نے پیدا کیا لیکن اس کے رزق مقرر نہیں کیا۔ انسانوں کے لیے پھل، سبزی، گوشت وغیرہ رزق مقرر کیا اور جانوروں کے لیے گوشت، گھاس وغیرہ مقرر کی یونہی دیگر مخلوق کے لیے اس کے زندہ رہنے کے لیے کوئی نہ کوئی غذا مقرر کی اور اس غذا کو کھانے کے لیے اسباب بھی مقرر کیے۔ کسی انسان یا جانور کا بھوک سے مر جانا رزق تک پہنچنے کے اسباب نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ دیکھیں ایک شخص کے سامنے کھانا ہو اور وہ جب تک ہاتھ کا استعمال کرتے ہوئے کھانا منہ میں نہیں ڈالے گا کھانا خود بخود منہ میں نہیں جائے گا۔ جس طرح ہاتھ کھانا منہ میں لے جانے کا سبب ہے اسی طرح دیگر اسباب بھی ہیں۔ پرندے تلاش رزق کے لیے آشیانہ سے باہر ضرور جاتے ہیں، ہاں درختوں میں چلنے کی طاقت نہیں تو انہیں وہاں ہی کھڑے کھڑے کھاد پانی پہنچتا ہے۔

انسان کو یہ کہا گیا کہ وہ اسباب کو ترک نہ کرے کوشش کرے۔ عمومی طور پر اسباب کے ذریعے ہم اپنے نصیب کا رزق کھا لیتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو قسمت کا رزق ایسی جگہ سے آجاتا ہے جہاں سے امید نہیں ہوتی۔ بعض اوقات اسباب بروئے کار لانے کے باوجود رزق نہیں ملتا، اس رزق نہ ملنے کی دو وجوہات ہیں: پہلی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ عزوجل نہ دے کر بندے کو آزماتا ہے چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ [1]

ترجمہ: اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات انسانوں کے گناہوں کی سزا کے طور پر ان پر قحط مسلط کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے لوگ بھوکے مرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ [2]

ترجمہ: اور اللہ نے کہاوت بیان فرمائی ایک بستی کہ امان و اطمینان سے تھی ہر طرف سے اس کی روزی کثرت سے آتی تو وہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے لگی تو اللہ نے اسے یہ سزا چکھائی کہ اسے بھوک اور ڈر کا پہناوا پہنایا بدلہ ان کے کیے کا۔

مضبوط ایمان

الحمد للہ عزوجل ہر مسلمان اللہ عزوجل پر ایمان رکھتا ہے لیکن جب مشکل آتی ہے تو شیطان ایمان پر حملے کرتا ہے۔ تنگ دست کو شیطان کہتا ہے وہ فلاں فاسق و کافر کو اللہ عزوجل نے اتنا کچھ دیا ہے تجھے عبادتوں کا کیا صلہ ملا، دعائیں قبول ہونے میں تاخیر پر بندہ مسلمان کو دعائیں مانگنا چھوڑنے کا وسوسہ دیتا ہے۔ یوں رفتہ رفتہ انسان کو مذہب سے بدظن کرکے دہریت کی طرف لے جاتا ہے۔

---

1. سورۃ البقرۃ، ۲:۱۵۵

Surah al baqara, 2:155

2. سورۃ النحل، ۱۶:۱۱۲

Surah , 16:112

بندہ مسلمان کو چاہیے کہ ہر حال میں اللہ عزوجل پر ایمان و بھروسہ رکھے۔ یہ یادر کھے کہ آزمائشیں آنا زندگی کا ایک حصہ ہے اور اس میں بندہ مؤمن کے درجات میں بلندی ہے، اس پر کثیر احادیث موجود ہیں۔ یونہی اللہ عزوجل سب لوگوں کے مانگنے پر انہیں عطا فرمائے تو اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آئے گی، ہر دعا قبول ہونا ہمارے حق میں بہتر نہیں۔ یہ بھی یادر ہے کہ مصیبت و تنگ دستی میں کفریات بکنے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ سب سے بڑی دولت جو ایمان تھی وہ بھی ضائع ہو گی اور دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت بھی برباد ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا"

وإن أشقى الأشقياء من اجتمع عليه فقر الدنيا وعذاب الآخرة[1]

ترجمہ: سب سے زیادہ بد بخت وہ ہے جس پر دنیا میں فقر اور آخرت میں عذاب جمع ہو گیا۔

دین کا علم حاصل کرنا

ہر مسلمان کو چاہیے کہ دین کے بنیادی عقائد کو جانے تاکہ گمراہوں اور دہریوں سے اپنے دین کو محفوظ کر سکے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جتنے بھی فرقے، جھوٹے نبوت کے دعویدار اور دہریے ہوئے ہیں انہوں نے ہمیشہ جاہل عوام کو شکار کیا ہے۔ جاہل عوام ان کی چرب زبانی و شعبدہ بازی سے ان کے قابو آجاتی ہے۔ اگر ہمیں قرآن و حدیث کا صحیح طرح علم ہو تو کبھی بھی ہم صراط مستقیم سے بھٹک نہ سکیں۔ کئی دہریوں کو دیکھا گیا ہے کہ پہلے اپنی جہالت میں دہریے ہو جاتے ہیں پھر قرآن و حدیث کو تنقیدی نگاہ سے پڑھنا شروع کرتے ہیں اور اس پر باطل قسم کے اعتراض کرتے ہیں، اگر اسی قرآن و حدیث کو پہلے پڑھتے تو دہریے ہی نہ ہوتے۔

" عن أبی أَمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : « سَتَكُونُ فِتَنٌ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا، وَيُمْسِي كافرًا ، إِلَّا مَنْ أَحْيَاهُ اللهُ بِالْعِلْمِ»[2]

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عنقریب فتنے ہوں گے صبح انسان مومن ہو گا اور شام کو کافر، سوائے اس شخص کے جسے اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ زندہ رکھا۔

روزگار کے لیے کفر کا ارتکاب

بعض نادان لوگ فقط ایک روزگار کے لیے کفر میں جا پڑتے ہیں، یورپ ممالک میں جانے کے لیے خود کو غیر مسلم ظاہر کرتے یا بے دین این جی اوز کے تحت کام کرنے کے لیے کفر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ رزق کے لیے بچوں سمیت یورپ ممالک میں رہنے والوں کے لیے غور و فکر کا مقام ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دولت تو مل جائے لیکن اولاد یورپ میں رہ کر اس کے ماحول میں رنگ جائے اور سیکولر یا دہریہ بن جائے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے ہی ملک و شہر میں رزق مل جائے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا

---

3. أبو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیسابوري، المستدرک علی الصحیحین، ج ۴، ص ۳۵۸، الناشر: دار الکتب العلمیة - بیروت

Abu abd ullah bin abd ullah al hakim al nesabor, al mustadrak al assaheehen., vol 4, p 358, Al nasher: Dar al kotub al ilmia.

2. أبو بکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المُستَفاض الفِريابِي، صفة النفاق وذم المنافقين، ص ۱۳۷، الناشر: دار الصحابة للتراث، مصر

Abu bakar jaafar bin Muhammad bin al hasan bin al mustafaz al firyabi, sifat ul nifaq wa zamm ul munafiqeen, p al nasher: dar al sahaba littoras, misr.

" أربع من سعادة المرء : أن تكون زوجته صالحة وأولاده أبرارا وخلطاؤه صالحين وأن يكون رزقه في بلده [1]

ترجمہ: چار باتیں آدمی کی سعادت مندی کی ہیں: صالحہ بیوی ہو، اولاد نیک ہو، دوست احباب نیک و صالح ہوں، ذریعہ معاش اپنے شہر میں ہو۔

خلاصہ بحث

دہریت کی پہچان اور تاریخ کے تجزیے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام اور دہریت کے درمیان تقابل موجود ہے۔ اسلام میں دہریت کی پہچان اور تاریخ کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے، جبکہ دہریت اور تاریخ کو سننے اور ان پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اسلام کی دہریتی تصور میں انسان کو اپنے عمل کے اثرات کا احساس کرنا اور مستقبل کیلئے تدبیر کرنا سکھایا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں، دہریتی طرزِ فکر میں دین، دہریت اور تاریخ کی معترض نظریات کی موجودگی ہے، جس کے مطابق خدا، رسولانہ، اور آخرت کی وجودیت کو مسترد کیا جاتا ہے۔

---

1. شحاتۃ محمد صقر، دلیل الواعظ، ج۲، ص۸۴، الناشر: دَارُ الفُرْقَان للتُرَاث - البحيرة

Shahatat Muhammad saqar, daleel al waiz, vol 2, p 84, Al nasher: Dar ul furqan littoras, al bohaira.